اسلام اور عصر حاضر کے تناظر میں چند معاشی مسائل کا جائزہ

ڈاکٹر عبدالغفار

ڈاکٹر ابوالحسن شبیر احمد

Abstarct

The law of economic by which the humanity is bestowed through the Last Prophet Hazrat Muhammad (Peace Be upon Him(is based on a principle that this world has been created for trials. Hence the system of this world is established in a way that everyone is dependent to each-other. It makes everybody taking birth as interdependent. The world-class personalities compel to get help from others. On the other hands the lower most people are approached for the deeds cannot be done by other than of them. Typical commonweal state is the demand of each and every human that is almost impossible without strong and well established economic system. Commonweal state and well established economic system both of two are utmost needs for pursuit of Shariah Purposes.

Banking system is the integral part of current days businesses and trades. Practical banking system is merely based on interest and usury; hence it is completely against the Islamic law of economic and all the Muslim scholars have single opinion of its prohibition. Thus scholars have introduced Islamic banking after their deep studies of Islamic law of finance. Islamic banking is successful in some of Islamic countries, while in Pakistan it is merely being used evasively that is basically prohibited (Haraam(in Islam. Muslim scholars consider insurance un-allowed as it comprisès with interest, gambling, fraud, peculation and unawareness. While all the objections on insurance are very week when we evaluate them deeply, as the premiums are not loan but are paid in the promise to help others. If insurance companies are using that amount in trades mixed with interest then this is not the fault of insurer, as these are the insurance companies using their right of usability of funds. Islamic teachings about fraud, peculation and unawareness are only to resolve disputes in sell and purchase and the insurance is not any matter of sell and purchase at all, but it is a common-welfare system where managements and premium collection companies have the right to use the funds for its purposes. Feudalism in Pakistan is at very critical situation. This is central danger for the establishment of state, economic and culture; hence it is the time for jurisprudence institutes to stand with their practical role to demolish feudalism.

لیکچرر، شعبہ علوم اسلامیہ دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور

معیشت کی درستگی کا جو قانون اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر کی وساطت سے انسانیت کو دیا ہے، اس کی بنیاد اس اصول پر قائم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا آزمائش کے لئے بنائی ہے۔ اس وجہ سے اس کا نظام اس نے اس طرح قائم کیا ہے کہ یہاں سب لوگ ایک دوسرے کے محتاج اور محتاج الیہ کی حیثیت سے پیدا ہوئے ہیں۔ اس دنیا میں اعلی سے اعلی شخصیات بھی اپنی ضرورتوں کے لئے دوسروں کی طرف رجوع کی محتاج ہیں اور ادنی سے ادنی انسانوں کی طرف بھی ان ضرورتوں کے لئے رجوع کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالی نے ہر شخص کی ذہانت ،صلاحیت، ذوق ورجحان اور ذرائع ووسائل میں بڑا تفاوت رکھا ہے۔ چنانچہ اس تفاوت کے نتیجے میں جو معاشرہ وجود میں آتا ہے اس میں اگر ایک طرف وہ دانشور، حکیم اور مصلح پیدا ہوتے ہیں جن کی دانش سے دنیا روشنی حاصل کرتی ہے اور جن کی سعی وجہد سے انسانیت خود اپنا شعور حاصل کرتی ہے تو دوسری طرف وہ مزدور، دہقان، خادم، قلی اور خاک روب بھی پیدا ہوتے ہیں جن کی محنت سے مٹی سونا اگلتی ہے اور چولھے لذت کام ودہن کا سامان پیدا کرتے ہیں۔

اسلام ایک ایسا مکمل ضابطہ حیات ہے جو انسانیت کی ہر دوراہے اور چوراہے پر بہترین راہنمائی کرتا ہے۔ دنیا کے کسی مذہب میں ایسا نظام حیات موجود نہیں جو نظام اسلام عطا کرتا ہے۔ اسلام جہاں ہر انسان کو تہذیب کا درس دیتا ہے اور سماجی ومعاشرتی دائروں میں انسانیت کے لیے اصول وضوابط پیش کرتا ہے وہیں اس کا اقتصادیات کا شعبہ بھی اپنے اندر سلیم الفطرت لوگوں کے لئے کشش اور جاذبیت رکھتا ہے۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ تہذیبی ترقی اور تمدنی ارتقاء کے نتیجے میں انسانی زندگی ہمہ وقت تغیر وتبدل کی زد میں رہتی ہے اور رواج وعادات سے لے کر سیاست ومعیشت کے ڈھانچوں میں مسلسل تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کو معاشرے کے ان تمام گوشوں میں وجود پذیر ہونے والی تبدیلیوں سے نبرد آزما ہونے کا چیلنج ہر دور میں درپیش رہا ہے۔ اس کا دعوی ہے کہ یہ ہر انسانی مسئلہ کا حل پیش کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، تاہم فی زمانہ یہ چیلنج ایک گھمبیر صورت اختیار کر گیا ہے کیونکہ گزشتہ صدی میں تقریباً تمام شعبہ ہائے زندگی میں بے شمار تغیرات وقوع پذیر ہوئے ہیں۔ چنانچہ سائنس وطب سے لے کر تہذیب ومعاشرت تک اور سیاست وریاست سے لے کر اقتصاد ومعیشت تک تمام گوشوں میں حیرت انگیز تبدیلیاں منصۂ شہود پر آئی ہیں۔

ان بے شمار مسائل میں اقتصادیات سرفہرست ہے، چنانچہ موجودہ حالات سے ہم آہنگ ایک مکمل غیر سودی معاشی نظام دنیا کے سامنے پیش کرنا ایک بہت بڑا چیلنج ہے۔ اس ضمن میں بینکنگ، انشورنس، نرخ بندی اور کریڈٹ کارڈز وغیرہ جیسے لاتعداد مسائل ایک مکمل اور قابل عمل حل کے متقاضی ہیں۔ مقالہ ہذا میں ایسے ہی چند معاشی مسائل کو زیر بحث لایا گیا ہے تاکہ واضح کیا جاسکے کہ شریعت اسلامی کس طرح انسانیت کو درپیش اقتصادی مسائل سے نبرد آزما ہونے کی صلاحیت رکھی ہے۔ باوجود اس کے کہ اسلام کا ہی نظام عدل اجتماعی ہی بہترین ہے پھر بھی مسلمانوں کی اقتصادی حالت بہتر نہیں ہے۔ اس کا عام فہم جواب یہ ہے کہ کسی بھی اسلامی ملک میں اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں پر معاشی نظام کی بنیاد ہی نہیں ہے۔ معاشی نظام اور سیاسی نظام دونوں لازم وملزوم ہیں، جب کسی

ملک کا سیاسی نظام غلط بنیادوں پر استوار ہوگا، بالخصوص جس ملک میں آمرانہ نظام حکومت ہوگا تو وہاں معاشی نظام بھی اپنی بدترین صورت میں موجود ہوگا۔لہذا مسلمانوں کی معاشی خوشحالی کے لئے مندرجہ ذیل چار اصلاحات بالکل بنیادی نوعیت کی ہیں۔

i پہلی بات جو ضروری ہے کہ وہ اپنے ممالک میں جمہوریت یعنی شورائیت پر مبنی نظام قائم کریں۔

ii یہ کہ جاگیردارانہ نظام کو ختم کیا جائے۔

iii یہ کہ قرآن حکیم کی تعلیم کی روشنی میں العفو پر عمل ہو تا کہ سرمایہ داری کے بداثرات سے بچا جاسکے۔

iv یہ کہ نظام زکاۃ کو اس کی اصلی روح کے ساتھ معاشرے میں نافذ کیا جائے کیونکہ یہی تقسیم دولت کا بہترین ذریعہ ہے۔

جب تک کوئی ملک معاشی اعتبار سے مضبوط نہیں ہوگا وہ دفاعی لحاظ سے مضبوط نہیں ہوگا اور اپنی سرحدوں کی حفاظت نہیں کر سکے گا۔لہذا مسلمانوں کی ترقی کے لئے یہ لازم ہوگیا ہے کہ عصر حاضر کے مسائل اور تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے مقاصد شریعت کے اصولوں پر اپنے معاشی نظام کی عمارت استوار کریں۔

اقتصادیات اور مقاصد شریعت

اس سلسلے میں یہ بات خصوصیت سے قابل توجہ ہے کہ تمام فقہاء کرامؒ نے مقاصد شریعت کے ضمن میں حفظ مال کو مستقل حیثیت سے بیان کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا معاشی مسئلہ شارع کی نگاہ میں کس قدر اہم ہے۔شریعتکی منشاء یہ ہے کہ مال جو اقتصاد و معیشت کا مطلوب و مقصود ہے، اس کی مکمل حفاظت کی جائے تا کہ انسان کی ضروریات زندگی کا سامان بہم پہنچتا رہے۔ظاہر ہے کہ وہ تمام وسائل و ذرائع خود بخود اس میں آجاتے ہیں جن سے کہ مال کی حفاظت ہوتی ہے اور اس میں اضافے اور بڑھوتری کی راہیں نکلتی ہیں۔امام ابن القیمؒ ایک قاعدہ شریعت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عقود اور معاملات میں اصل اباحت ہے۔

" الاصل فی العقود و المعاملات الصحة حتی یقوم دلیل علی البطلان او التحریم."(۱)

'عقود اور معاملات میں اصل اباحت ہے۔جب تک کہ اس کی حرمت کے بارے میں دلیل واضح نہ ہو۔''

لہذا اگر کسی معاملہ میں اسلام کی حرام کردہ صورتیں موجود نہ ہوں تو وہ جائز ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے اقتصادی نظام میں کسب معاش کے طریقوں میں بہت وسعت پائی جاتی ہے اور یہ رائج الوقت معاشی تبدیلیوں اور اصلاحات کو اپنے اندر جذب کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے۔قرآن حکیم نے قانون معیشت و اقتصادیات کے ضمن میں جو اصولی رہنمائی کی ہے اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

﴿ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُم مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُم

بَعْضاً سُخْرِيّاً ﴾(۲)

''اس حیات دنیوی میں ان کا سامان معیشت تو ہم نے تقسیم کیا ہے اور ایک کا مرتبہ دوسرے سے بلند رکھا ہے تا کہ وہ ایک دوسرے سے کام لے سکیں۔''

اس فرق مراتب کے ساتھ دنیا کو پیدا کر کے عالم کا پروردگار یہ دیکھ رہا ہے کہ یہ اعلیٰ وادنی، باہمی احترام وتعاون سے صالح معاشرت اور صالح تمدن وجود میں لاتے ہیں یا ایک دوسرے کے خلاف اپنی شرارتوں اور حماقتوں سے اس عالم کو سراسر فساد بنا دینے کی سعی میں مصروف ہوتے ہیں۔ انسان کی یہی آزمائش ہے جس میں پورا اترنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے سے اس کی رہنمائی فرمائی اور معاشی عمل میں اس کے تزکیہ وتطہیر کے لئے اسے اپنا ایک قانون دیا ہے، جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

i مسلمان زکوۃ ادا کریں تو ان کا وہ مال جس کے وہ جائز طریقوں سے مالک ہوئے ہیں، اللہ اور رسول کی طرف سے مقرر کسی حق کے بغیر ان سے چھینا نہیں جا سکتا۔ یہاں تک کہ ان کی ریاست اس زکوۃ کے علاوہ اپنے مسلمان شہریوں پر ان کی رضامندی کے بغیر کسی نوعیت کا کوئی ٹیکس بھی عائد نہیں کر سکتی۔

ii وہ تمام اموال واملاک جو کسی فرد کی ملکیت نہیں ہیں یا نہیں ہو سکتے، انہیں ریاست ہی کی ملکیت میں رہنا چاہیے تا کہ قوم کی یہ دولت دولت مندوں ہی میں گردش نہ کرے اور اس کا فائدہ وہ لوگ بھی اٹھائیں جو اپنی ضرورتوں کے لئے دوسروں کی مدد کے محتاج ہیں۔ اسی طرح نظم اجتماعی سے متعلق بعض دوسری ذمہ داریاں بھی ان اموال سے پوری کی جاسکیں۔

iii دوسروں کا مال باطل اور ناجائز طریقوں سے کھانا ممنوع ہے، سود اور جوا اس سلسلے کے بدترین جرائم ہیں، اوران کے علاوہ دوسرے تمام معاشی معاملات کے جواز اور عدم جواز کا فیصلہ بھی اسی اصول کی روشنی میں کرنا چاہیے۔

iv لین دین، قرض، وصیت اور اسی طرح کے دیگر مالی معاملات میں تحریر وشہادت کا اہتمام لازم ہے، اس میں کوتاہی بعض اوقات بڑے اخلاقی فساد کا باعث بن جاتی ہے۔

v ہر مسلمان کی دولت اس کے مرنے کے بعد لازماً اس کے ورثاء میں منصوص طریقے سے تقسیم کر دی جائے۔

مروجہ اسلامی بنک کاری نظام

دور جدید کے نظام مالیات نے جہاں بہت سی آسانیاں پیدا کر دی ہیں، وہاں مسلمانوں کے لئے خاصے پیچیدہ مسائل بھی پیدا کر دیئے ہیں، جن میں سے ایک سودی نظام ہے جو عصری مالیات میں ریڑھ کی ہڈی کی سی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی پیشن گوئی حرف بحرف پوری ہو چکی ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ اگر کوئی شخص سود نہ بھی کھانا چاہے گا تو اسے سود کا غبار ضرور پہنچے گا۔ (۳) موجودہ صورت حال یہ ہے کہ تمام بنک چاہے وہ اسلامی ہوں یا غیر اسلامی سب کی بنیاد سود پر ہے۔ کیونکہ کوئی بھی مالیاتی ادارہ اپنا کام اس وقت تک شروع ہی نہیں کر سکتا جب تک وہ اپنے تمام اثاثہ جات کا ایک مخصوص حصہ بطور زرضمانت اپنے مرکزی

بنک کے پاس جمع نہ کروائے ،اور مرکزی بنک اس رقم کو استعمال کرنے میں آزاد ہے۔مروجہ اسلامی بنک کاری نظام اسی سودی نظام کا حصہ ہے جو کہ حیلہ جات کے سہارے چل رہا ہے،اگر چہ فقہاء کرام نے جائز حیلہ استعمال کرنے کی محدود اجازت بھی دی ہے۔اس رائے سے اتفاق اس لئے ممکن نہیں ہے کہ جب فقہاء کرامؒ نے اضطرار کے ساتھ مروجہ بنک کاری نظام سے استفادہ جائز قرار دیا ہے تو خواہ مخواہ حیلے کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ایسا کرنے سے لوگوں کو اسلام کے نام سے سود کی طرف راغب کیا جاتا ہے۔اس کا نقصان یہ ہوا کہ جو لوگ سود سے حد درجہ بچنے کی کوشش کر رہے تھے وہ بھی اس سودی نظام کے دھارے میں شامل ہو گئے ہیں۔تاہم رسول اللہ ﷺ کے فرمان عالیہ کے مصداق فقہائے کرام اور اجتہادی اداروں کی نیت صالح ہے ،حیل کے ساتھ ہی سہی کم از کم حتی الوسع سود سے بچنے کی کوشش تو کر رہے ہیں۔

دنیا میں اس وقت بینکوں میں جو نظام متداول ہے اس کی تمام تر اساس سود پر ہے،جس کی وجہ سے یہ خیال راسخ اور مستحکم ہو گیا ہے کہ سودی نظام کو اپنائے بغیر کسی بھی مالیاتی ادارے کو چلانا ممکن نہیں ہے اور یہ کہ غیر سودی بینکاری کا تصور محض ایک مفروضہ ہے۔ایسے ماحول میں جہاں کا پورا مالیاتی نظام ہی سود پر مبنی ہو،غیر سودی بنیادوں پر مالیاتی اداروں کی تشکیل ایک بڑا کٹھن کام ہے۔معاشی شعبے میں مالیاتی اداروں کو اسلامی شریعت کے مطابق بنانے کیلئے ان میں اصلاح کرنا ان مسلمانوں کے لئے ایک عرصہ سے لمحہ فکریہ ہے،اس صورت حال میں مسلمانوں کو سود جیسی لعنت سے بچانے کے لئے اسلامی اقتصادیات کے ماہرین نے غیر سودی یا اسلامی بینکوں اور اداروں کے قیام کے لئے کوشش کی ہے،جس کے نتیجے میں بہت سے ادارے قائم ہوئے جو مختلف ممالک میں کام کر رہے ہیں۔

اسلام کا نظام بینکاری

اسلامی نظام بینکاری کی بنیاد یہ ہے کہ انسانوں کے معاشی مصالح کا تحفظ ،اور محرمات سے بچتے ہوئے ایسی شکل اختیار کی جائے جس سے ضرر ونقصان سے محفوظ رہا جاسکے۔اگر یہ قرار دیا جائے کہ بینکاری سرے سے حرام و ناجائز ہے اور اسے کسی طور شریعت کی حدود میں نہیں لایا جاسکتا تو اس سے دو باتیں لازم آئیں گی۔ایک یہ کہ مسلمان کلی طور پر بینکنگ سے لاتعلق ہو جائیں اور ان سے کسی نوع کا لین دین نہ کرسکیں گے اور دوسری بات یہ ہے کہ پھر مروجہ سودی بینکاری کے ذریعے ہی معاشی عمل کو جاری رکھنا پڑے گا،اس لئے مذکورہ دونوں باتیں قابل عمل نہیں ہیں۔اقتصادی تسلسل اور استحکام کے لئے موجودہ دور میں ایک تو مالیاتی اداروں کا وجود ضروری ہے اور دوسرا یہ کہ اسلام نے سود کو نہ صرف کلیتاً حرام و ناجائز قرار دیا ہے بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے سود خوروں کا اعلان جنگ ہے۔ (۴) معاشی مفادات کے تحفظ اور سود کی لعنت سے بچنے کی ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے کہ ایسے بینک اور مالیاتی ادارے قائم کئے جائیں جو سود سے مکمل اجتناب کرتے ہوئے اسلام کے اقتصادی اصولوں کے مطابق معاشی سرگرمیوں کو منظم کریں۔فقہائے کرامؒ مصلحت انسانی پر بہت زور دیتے ہیں بلکہ ان کا کہنا تو یہ ہے کہ شریعت کی بنیاد ہی جلب منفعت پر ہے۔ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ:

" ان الشریعة مبنا ھا و اساسھا علی الحکم و مصالح العباد فی المعاش و المعاد. "(۵)

'' بے شک شریعت کی عمارت اور اس کی بنیاد دنیا و آخرت میں بندوں کی مصلحت اور حکمتوں پر قائم ہے۔''

مذکورہ عبارت سے یہ اصول اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جن ذرائع سے انسانی مصالح کا حصول و تحفظ ممکن ہو ان کو اختیار کرنا شریعت کا اولین تقاضا اور بنیادی ہدف ہے۔ لہٰذا اسلامی بینکاری کو روبہ عمل میں لانا ضروری ہے تاکہ اس سے اہل اسلام کے معاشی مصالح کی بقا و تحفظ ممکن ہو۔ اس ضمن میں مصالح عامہ پر مبنی معاہدات کی مختلف اقسام مثلاً مشارکہ، مضاربہ، مرابحہ، اجارہ، سلم و استصناع وغیرہ کے طریقے شریعت اسلامی سے ثابت ہیں اور عصر حاضر میں انہیں کو بنیاد بنا کر اسلامی بینکاری کا کامیاب تجربہ کیا جا رہا ہے۔ بالخصوص ہمسایہ اسلامی ملک ایران میں بیع سلم کے تحت بنک کاری کے تمام لوازمات اور معاملات خوش اسلوبی سے جاری ہیں۔

اسلامی نظام بنکاری پر اعتراضات کا جائزہ

اسلامی اقتصادیات کے ماہرین میں سے بعض مروجہ اسلامی بینکاری پر شدید تحفظات رکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کا ایک اہم اور نمایاں اعتراض یہ ہے کہ مروجہ اسلامی نظام بینکاری دراصل حیلوں پر مبنی ہے۔ کیونکہ موجودہ اسلامی بینکوں کی اب تک کی کارکردگی کا اگر تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی اصلی شرعی بنیادوں کی طرف پیش قدمی کی بجائے عارضی حیلوں پر ہی انحصار کئے ہوئے ہیں۔ بالخصوص پاکستان میں اسلامی بنکاری محض زبانی جمع خرچ اور ظاہری الفاظ کا ہیر پھیر ہے، اس لئے کہ جب تک پورا نظام معیشت اسلام کے اقتصادی اصولوں کے مطابق نہیں آجاتا اس وقت تک ایسی کوششیں محض ایک دھوکہ ہے اور اس کے اسلامی ہونے کے حوالے سے فتاویٰ جاری کرنے والے علماء کرام علمی خیانت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ علمائے کرام کو واضح انداز میں عوام الناس کو بتانا چاہئے کہ موجودہ نظام بنکاری حیل کی بنیاد پر چل رہا ہے۔ حیلے سے کسی چیز کی ماہیت تو تبدیل نہیں ہوتی، اس لئے کہ حیلہ کا تعلق دراصل ذرائع اور اسباب سے ہے کسی بھی عمل کے وسائل و ذرائع اپنے مقصد کے تابع ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں اصولی بات یہ ہے کہ حیلے مطلقاً حرام یا مباح نہیں ہیں بلکہ اس میں تفصیل طلب امور ہیں۔ امام ابو بکر خصافؒ نے امام شعبیؒ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ '' حیلے ایسی چیز ہیں جن کے ذریعے کوئی شخص گناہوں اور حرام سے بچ کر حلال کی طرف آجاتا ہے۔ چنانچہ جو حیلہ ایسا یا اس جیسا ہو، اس میں کوئی حرج نہیں، اور حیلے کی جو قسم مکروہ ہے وہ ایسا حیلہ ہے جس کے ذریعے کوئی شخص کسی دوسرے کے حق کو باطل کردے یا کسی باطل چیز پر ملمع چڑھا دے اور کسی چیز میں حیلہ کر کے اس میں شبہ پیدا کردے، لیکن اگر کوئی حیلہ اس قبیل سے ہو جس کا ہم نے ذکر کیا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس کتاب میں ایسی چیزیں مذکور ہیں جن کی لوگوں کو اپنے معاملات وغیرہ میں حاجت ہوتی ہے۔''(۶)

امام برہان الدین ابن مازہؒ لکھتے ہیں کہ '' ہمارے علماء احناف کا یہ مذہب ہے کہ ہر وہ حیلہ جس کے ذریعے کوئی شخص کسی دوسرے کا حق باطل کرنے یا اسکے حق میں شبہ داخل کرنے یا کسی باطل چیز پر ملمع چڑھانے کی تدبیر کرے تو وہ مکروہ ہے اور ہر وہ حیلہ جس کے ذریعے کوئی شخص حرام سے خلاصی حاصل کرے یا جس کے ذریعے حلال تک رسائی پالے تو وہ مستحسن ہے۔ اور امام شعبیؒ سے جو

منقول ہے کہ حلال اور جائز کاموں میں حیلہ کرنے میں کوئی حرج نہیں، اس کا یہی مطلب ہے۔"(۷)

بدر الدین العینیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ"اور حیلہ کسی مکروہ چیز سے بھاگنے اور حرام سے فرار اختیار کرنے اور گناہ میں پڑنے سے بچنے کیلئے کوئی تدبیر کرنے کا نام ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ وہ پسندیدہ ہے۔ البتہ کسی مسلمان کا حق باطل کرنے کیلئے کوئی حیلہ کرنا گناہ اور ظلم ہے اور امام نسفیؒ نے کافی میں حضرت امام محمد بن حسن کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مومنوں کے اخلاق میں یہ بات نہیں ہے کہ اللہ تعالی کے احکام سے حیلے کر کے راہ فرار اختیار کریں جو کسی حق کو باطل کرنے والے ہوں۔"(۸) امام سرخسیؒ حیلوں پر ایک تفصیلی بحث کے دوران فرماتے ہیں کہ" جس حیلے کے ذریعے کوئی شخص حرام سے خلاصی حاصل کرلے یا حلال تک رسائی حاصل کرے تو وہ مستحسن ہے، اور ایسا حیلہ جو کسی شخص کے حق کو باطل اور باطل کو سچ یا شبہ پیدا کردے تو وہ مکروہ ہے۔ لیکن جو حیلہ اس قسم کا ہو جس کا ہم نے ذکر کیا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔"(۹) علامہ آلوسیؒ حیلوں سے متعلق اپنی رائے یوں بیان کرتے ہیں کہ"اور میرے نزدیک یہ تفصیل ہے کہ ہر وہ حیلہ جو کسی شرعی حکمت کے ابطال کا موجب ہو وہ قابل قبول نہیں ہے، مثلاً زکوۃ ساقط کا حیلہ اور استبراء ساقط کرنے کا حیلہ اور یہ اس مسئلے میں معتدل بات ہے۔"(۱۰)

ابن قیمؒ الحیل کے جواز اور عدم جواز کے سلسلے میں اعلام الموقعین میں فرماتے ہیں کہ"مباح حیلہ جات کی تیسری قسم میں وہ سب حیلے شامل ہیں جن سے اپنا حق وصول کیا جائے۔ یا ظلم کو ایسے مباح طریقوں سے دور کیا جائے جو دراصل اس مقصد کے لئے وضع نہیں کئے گئے بلکہ ان کی اصلی غرض اور ہو اور ان سے حسب مرضی کام لیا جائے یا ان کی وضع اسی غرض کے لئے ہو مگر پوشیدہ ہونے کی بناء پر انہیں معلوم نہیں کیا جاسکتا۔ حیلہ جات کی اس قسم اور اس قسم میں فرق یہ ہے کہ پہلی قسم میں سبب کا مقصود تک پہنچا دینا بالکل ظاہر ہوتا ہے جب کہ اس قسم میں سبب مقصود کے علاوہ کسی دیگر امر تک پہنچاتا ہے۔ یا موصل الی المقصو دتو ہوتا ہے مگر پوشیدہ طور سے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ قسم اول میں وضاحت ہوتی ہے جب کہ قسم ثانی میں خفاء۔"(۱۱) نیز آپؒ جائز حیلوں سے متعلق لکھتے ہیں کہ"ہم نے یا علماء سلف نے حیلہ جات کی جو مذمت بیان کی ہے یہ قسم اس سے مستثنی ہے بلکہ جو شخص اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا وہ واجز ہے اور جس قدر کوئی شخص ان سے زیادہ آشنا ہو وہ اسی قدر زیادہ دانش مند ہے۔ خصوصا جنگ میں جہاں اکثر حیلہ کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔"(۱۲)

فقہاء کرامؒ کی حیل سے متعلق مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر تو موجودہ اسلامی بینکاری میں حیلوں کے نام پر شریعت کی کسی حرام کردہ شے کو حلال ٹھہرانے کی کوشش کی جارہی ہے تو یہ ناجائز اور ممنوع ہے، تاہم اگر ان کے ذریعے سود سے بچاؤ اور جائز معاشی مقاصد و مصالح کا حصول مقصود ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ ایسے حیلوں سے اجتناب کرنے کی ضرورت ہے، جن سے مقاصد شریعت پر زد پڑتی ہے۔ البتہ مباح اور جائز حیلے اختیار کئے جاسکتے ہیں جو دراصل شرعی اہداف کو حاصل کرنے کا ایک وسیلہ ہیں۔

اسلام اور عصر حاضر کے تناظر میں انشورنس کی شرعی حیثیت

انشورنس (Insurance) انگریزی کا لفظ ہے۔ جس کا ترجمہ اردو میں بیمہ اور عربی میں تامین کیا جاتا ہے۔ انشورنس اپنے اصطلاحی معنوں میں کاروبار کی ایک ایسی شکل ہے جس میں بیمہ پالیسی خریدنے والے کو اس کے مستقبل کے خطرات سے تحفظ اور غیر متوقع نقصانات کی تلافی کی ضمانت دی جاتی ہے۔ گویا انشورنس کے معنی ضمانت، تحفظ اور یقین دہانی کے ہوسکتے ہیں۔ جو ادارے انشورنس کا کاروبار کرتے ہیں اسے انشورنس یا بیمہ کمپنی یا شرکة التامین کہا جاتا ہے۔ اس کمپنی کے بیان کردہ طریقہ کار کے قواعد کی رو سے اس کے بیمہ داروں میں سے کسی کا نقصان ہوجائے تو سب مل کر اس کی تلافی کرتے ہیں۔ یہ تلافی کمپنی بیمہ داروں کی جمع شدہ رقوم پر حاصل ہونے والے منافع سے کرتی ہے اور یوں سب مل کر ایک کے نقصان کی تلافی کردیتے ہیں۔ اس طریقہ کار کو انسائیکلو پیڈیا آف برٹینیکا میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:۔

> ''انشورنس کا سادہ ترین مفہوم ایسی ضمانت ہے جو لوگوں کا ایک ایسا گروہ دیتا ہے جن میں سے ہر ایک کسی نہ کسی ایسے خطرہ میں ہوتا ہے جس کے اثرات قبل از وقوع جانچے نہیں جاسکتے ایسا خطرہ جب بھی واقع ہوتا ہے اس کے اثرات اس گروہ کے تمام افراد پر تقسیم کردیئے جائیں گے۔'' (۱۳)

مذکورہ بالا رائے کی روشنی میں انشورنس کا مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ ایسے خطرات سے تحفظ دینے کا نام ہے جو ایک انسان کی زندگی یا اس کے لئے کاروبار پر چاروں طرف سے ٹوٹ پڑتے ہیں اور اگر مصیبت کو ہمدردی اور تعاون کے جذبہ سے نہ بانٹا جائے تو وہ شخص تباہ ہوجائے

مروجہ انشورنس کا طریق کار

ایک معاہدہ کے تحت انشورنس کمپنی اور طالب انشورنس کے درمیان طے پاتا ہے۔ انشورنس کمپنی کے طالب سے ایک معینہ رقم جس کا تعین بیمہ پالیسی خریدنے والے کی مالی حالت، اگر بیمہ زندگی ہے تو، اس کی صحت اور اگر بیمہ کی جانے والی کوئی شے یا جائیداد ہے تو اس کی نوعیت، مالیت، نقصانات اور خطرات سے متعلق سابقہ تجربات، انشورنس کمپنی کے دفتری اخراجات اور متوقع نفع سے ہوتا ہے۔ ایک مدت معینہ کے بعد وہ رقم بیمہ دار یا اس کے وارث کو مل جاتی ہے۔ اس کی اصل رقم کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ کمپنی ایک مقررہ شرح کے ساتھ کچھ مزید رقم بھی دیتی ہے جسے کمپنی اپنی وضع کردہ اصطلاح میں بونس یعنی منافع کہتی ہے۔ بیمہ کمپنی اس مجتمع رقم سے سرمایہ کاری کرکے اس پر منافع کماتی ہے۔

انشورنس کمپنی اور بیمہ دار کے درمیان درج ذیل شرائط کے ساتھ معاہدہ طے پاتا ہے۔

۱ بیمہ دار کو ایک مقررہ مدت تک بلا تعطل اور متواتر اقساط ادا کرنے پر اس کا اہل سمجھا جاتا ہے کہ وہ کمپنی سے اپنی جمع شدہ رقم کے مقابل کم شرح سود پر قرض حاصل کرسکے۔

۲ اگر کوئی بیمہ دار سود نہ لینا چاہے تو انشورنس کمپنی اسے مجبور نہیں کرتی، البتہ اس کی اداشدہ رقم کو وہ اپنی مرضی سے سرمایہ کاری میں لگاتی ہے اور مقررہ شرائط کے مطابق مقررہ مدت کے بعد اسے واپس کر دیتی ہے۔

۳ بیمہ دار کو ایک معین رقم انشورنس کمپنی کو بالاقساط ادا کرنا پڑتی ہے جسے پریمیم کہا جاتا ہے۔ اگر پالیسی ہولڈر اپنی چند ابتدائی اقساط ادا نہ کرے تو کمپنی اس کی جمع شدہ رقم ضبط کر لیتی ہے، اگر بیمہ دار مسلسل تین سال تک باقاعدگی سے اقساط ادا کرتا ہے تو اقساط بند کرنے کی صورت میں اسے اداشدہ رقم کا کچھ حصہ مل جاتا ہے، البتہ ساری رقم نہیں ملتی۔

انشورنس کا شرعی حکم

بیمہ کی شرعی حیثیت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ کچھ علماء نے اسے اضطرار کے ساتھ جائز قرار دیا ہے، تاہم اکثر اہل علم نے قرار دیا ہے کہ درج ذیل مفاسد کی بنا پر یہ حرام ہے۔

1 سود

i انشورنس کے کاروبار میں شریعت کا اصطلاحی ربو دو صورتوں میں بدرجہ اتم پایا جاتا ہے۔

ii انشورنس کمپنی جو سرمایہ مختلف افراد سے اکٹھا کرتی ہے وہ اسے مختلف کاروباری کمپنیوں یا افراد کو سود پر دیتی ہے اور ان سے سود وصول کر کے کچھ بیمہ کمپنی کے مالکان کھا لیتے ہیں اور کچھ بیمہ داروں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔

iii انشورنس کمپنی بیمہ دار شخص کو مدت بیمہ مکمل ہونے پر یا حادثہ وغیرہ کی شکل میں مقررہ مدت سے پہلے ہی وہ رقم ادا کر دیتی ہے جس پر بیمہ دار کی زندگی یا جائیداد کا بیمہ کیا گیا تھا۔ بیمہ کمپنی جو رقم بیمہ دار کو دیتی ہے اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، یہ کہ کمپنی مدت بیمہ کی تکمیل کے بعد بیمہ دار کی اصل جمع شدہ رقم واپس کر دیتی ہے، یا اصل جمع شدہ رقم سے زائد ادا کرتی ہے۔ ان دونوں صورتوں میں اسلام کے اصطلاحی ربا کی دونوں صورتیں پائی جاتی ہیں۔ پہلی صورت میں جب کمپنی بیمہ کی مقررہ مدت کے بعد بیمہ دار کی اصل رقم کے برابر رقم ادا کرتی ہے تو یہ ربا النسیہ کی شکل ہے۔ تمام فقہاء اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر نقد کی بیع نقد کے ساتھ ادھار پر کی جائے تو یہ ربا النسیہ ہوگا۔ (۱۴)

2 قمار بازی

انشورنس کمپنی کی یہ شرط کہ اگر بیمہ شدہ شخص یا شے اس معینہ مدت جس کا بیمہ ہوا ہے، سے پہلے فوت ہو جائے یا تلف ہو جائے تو اصل رقم کے ساتھ جو بونس ملے گا اس کی شرح زیادہ ہوگی، اور اگر بیمہ شدہ شخص اس معینہ مدت کے بعد تک زندہ رہتا ہے یا جائیداد

باقی رہتی ہے تو بونس کی شرح کم ہوگی۔ جبکہ تلف ہونے کے وقت کا علم اور تعین کرنا انسان کے بس کا روگ نہیں اس شرط کے تحت انشورنس کا کاروبار قمار سے مشابہ ہے۔ اس طرح ایسے معاملات میں انشورنس کے کاروبار میں شرط یا جوا اور قمار کے عناصر شامل ہوجاتے ہیں۔قمار کے بارے میں اسلام کے احکام بالکل واضح ہیں۔جوا کی حرمت قرآن حکیم میں صراحت کے ساتھ آئی ہے:

﴿ إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ﴾(۱۵)

''بیشک شراب، جوا، تھان اور فال نکالنے کے تیر یہ سب گندی باتیں اور شیطانی کام ہیں، تو ان سے بالکل الگ رہوتا۔''

مذکورہ بالا آیت میں لفظ میسر یعنی جوا کی تفصیل میں امام ابوبکر الجصاصؒ فرماتے ہیں کہ ''جوئے کی حرمت کے سلسلے میں اہل علم کے درمیان میں کوئی اختلاف نہیں اس فعل میں خطرہ کی ساری صورتوں کے شامل ہونے پر بھی اتفاق ہے۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ''خطر'' یعنی کم یا زیادہ ملنے کا احتمال جوا ہے۔دور جاہلیت میں اپنے مال اور بیوی ہر دو کو داؤ پر لگاتے تھے۔شروع شروع میں اس کی اباحت تھی مگر پھر تحریم نازل ہوئی۔''(۱۶) اس مؤقف کی روشنی میں بعض معاصر فقہائے کرام کی رائے ہے کہ ''کمرشل انشورنس جو کہ قسطوں پر مبنی ہے اور کاروباری کمپنیوں کے ہاں مروج ہے یہ بہت بڑا فراڈ اور دھوکہ پر مبنی ہے، جس سے عقد فاسد ہوجاتا ہے، اس بنا پر یہ شرعاً حرام ہے۔''؟(۱۷)

3 سٹہ بازی اور دھوکہ دہی

انشورنس کو ناجائز کہنے والوں نے یہ بھی دلیل دی ہے کہ موجودہ مروجہ نظام انشورنس میں سٹہ بازی اور دھوکہ دہی بھی ہے۔ دھوکہ دہی دونوں اطراف ،یعنی بیمہ دار اور انشورنس کمپنی ، سے ہوتی ہے۔بیمہ دار ایسا بھی کرتا ہے کہ دھوکہ دے کر اپنی جائیداد کی مالیت زیادہ ظاہر کردی او جب بیمہ ہوگیا تو سود کی رقم جو اس کی مملوک شے کی مالیت سے زائد تھی وصول کرنے کے لئے اس شے کو مخفی طریقے سے تلف کردیا۔اور دوسری طرف انشورنس کمپنی کا سرمایہ دار مالک ہے جو سبز باغ دکھا کر قوم کی دولت سمیٹتا ہے، اپنا ناپاک سودی کاروبا رچکاتا ہے اور لاکھوں روپے کماتا ہے مگر بیمہ دار کو صرف کچھ فیصد دے کے خوش کردیتا ہے۔انشورنس میں کئی فاسد شرائط بھی پائی جاتی ہیں۔(۱۸) تینوں اقسام یعنی بیمہ زندگی، بیمہ املاک اور بیمہ فرائض میں جو شرط ہے کہ جو شخص کچھ رقم بیمہ پالیسی کی جمع کرانے کے بعد باقی اقساط کی ادائیگی بند کردے اس کی جمع شدہ رقم سوخت ہوجاتی ہے۔یہ شرط خلاف شرع اور ناجائز ہے۔قواعد شرعیہ کی رو سے ایسے شخص کو جس نے بیمہ کرایا تھا، تکمیل معاہدہ پر مجبور کیا جاسکتا ہے اور عدم تعمیل کی صورت میں کوئی تعزیری سزا بھی دی جاسکتی ہے۔لیکن ادا کردہ رقم کو اس جرمانہ میں ضبط کرلینا جائز نہیں ہوسکتا۔(۱۹) مانعین کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ بیمہ کمپنیوں کے مروجہ کاروبار اور طریقہ

کار میں درج ذیل پانچ خرابیاں پائی جاتی ہیں:

i یہ کہ یہ بیع غرر کی قسم ہے جو ممنوع ہے۔

ii یہ کہ اس میں قمار اور جوا ہے۔

iii یہ کہ بنیادی طور پر یہ ایک سودی معاہدہ ہے۔

iv یہ کہ بیع الدین بالدین یعنی ادھار کے بدلے ادھار کا معاملہ ہے۔

v یہ کہ بیمہ داروں کی رقوم سودی کاروبار میں لگائی جاتی ہیں۔

مذکورہ بالا وجوہات کی بنا پر مفتی کفایت اللہ، مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہم اللہ نے بیمہ کی موجودہ شکلوں کو ناجائز قرار دیا ہے۔(۴۰)

انشورنس کی جائز صورتیں

اس میں شک نہیں کہ یہ دنیا حوادث کی آماجگاہ ہے اور ان حوادث اور حادثات کی وجہ سے جن لوگوں کے املاک تباہ ہوئے ہوں ان کے نقصانات کی تلافی ایک بہت بڑی نیکی ہے۔ باہمی تعاون اور اجتماعی تکافل و تضامن اسلام کے معاشی نظام میں کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اچھے سے اچھے مقاصد کے لئے اگر غلط اور غیر شرعی طریقے اختیار کئے جائیں تو وہ خیر کی بجائے شر ثابت ہوتے ہیں۔ بیمہ کمپنیوں کے مروجہ سودی اور قماری نظام کی جگہ اگر درج ذیل طریقے اختیار کئے جائیں تو ان شاء اللہ یہ معاشی انصاف اور اجتماعی تکافل کے لیئے مفید ثابت ہوں گے۔

1 بیمہ کمپنیوں کو مضاربہ کمپنیوں میں بھی تبدیل کر دیا جائے تو اس سے سود اور قمار پر مشتمل بیمہ سے بھی نجات مل جائے گی اور باہمی تکافل کا وسیع پیمانے پر ایک نظام بھی قائم ہو جائے گا۔

2 بیمہ کمپنیوں کو مشارکہ کمپنیوں میں تبدیل کر دیا جائے اور بیمہ داروں سے حاصل شدہ مشترکہ سرمایہ کو نفع و نقصان کی شراکت اصول کے مطابق تجارتی یا صنعتی کاروبار میں لگا کر اس سے حاصل شدہ نفع کو نقصانات کی تلافی کے لئے وقف کیا جائے۔

3 ہم پیشہ ور لوگ، امداد باہمی کی انجمنیں بھی بنا سکتے ہیں۔

4 صنعتی اور تجارتی اداروں کے مزدوروں کا بیمہ جوئے اور ربا کے بغیر آسانی سے کرایا جا سکتا ہے وہ ایسے کہ ان کی تنخواہ سے کچھ کٹوتی کر لی جائے، کچھ حصہ کارخانوں اور اداروں اور کچھ حکومت کی طرف سے ڈالا جائے۔

5 مرکزی حکومت ایک ایسا فنڈ قائم کرے جس میں لوگ عطیات دیں، جنہیں ضرورت مند افراد تک پہنچایا جا سکے۔

6 قتل خطا کی دیت کی ادائیگی اور مقتول کے وارثوں کی معاشی کفالت کے لئے نظام معاقل قائم کیا جا سکتا ہے۔

7 نظام زکوۃ وعشر سے بھی بیمہ کے مقاصد حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

جہاں تک بیمہ کے جواز کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں بھی علماء کے دلائل موجود ہیں۔ متحدہ ہندوستان کے بیشتر علماء کرام نے

وہاں کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے انشورنس کے مطلقاً جواز کا فتوی دیا تھا اور موجودہ ہندوستان میں بھی بیمہ کے جواز میں فتوی دیا گیا ہے۔(۲۱)

ان فتاوی کی عملی تطبیق کے لئے کیا یہ ضروری ہوگا کہ جس علاقے میں مسلمان اقلیت میں ہوں اور فسادات کا بھی ہر وقت دھڑ کا لگا رہے تو انشورنس جائز ہوگی بصورت دیگر نہیں۔اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے ہندوستان کے حالات کے پیش نظر انشورنس کے جواز کا فتوی دیا ہے۔مذکورہ فتوی

میں بار بار فرقہ وارانہ فسادات کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں اور الضرورات تبیح المحظورات کو جواز کا سبب بنایا گیا ہے۔بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ اگر جواز کا سبب فسادات اور حالات کی غیر یقینی کیفیت ہے تو ہندوستان کے مقابلے میں پاکستان میں امن و امان کی حالت زیادہ خرب ہے۔موجودہ دور میں متعدد مسلم ممالک میں مسلمان بالکل غیر یقینی حالات سے گزر رہے ہیں۔بالخصوص پاکستان کے حالات ایسے ہیں کہ جہاں کسی کی جان مال عزت وآبرو محفوظ نہیں ہے۔نہ یہ پتا ہے کہ کس وقت ڈرون حملہ ہوگا اور نہ ہی اس بات کی خبر ہے کہ کس وقت ملکی یا غیر ملکی ایجنسیاں کسی کو اٹھا کر لے جائیں گی،اور خودکش حملوں اور بم بلاسٹ کا دھڑ کا اس پر مستزاد ہے۔بدعنوان حکومت،انتظامیہ اور بالخصوص پولیس کا نظام سونے پر سہاگہ ہے۔نظام سیاست ایسا ہے کہ مستقبل قریب میں اس میں بہتری کے کوئی آثار نظر نہیں آرہے۔

پاکستان میں انشورنس کے عدم جواز کے حوالے سے نظر ثانی کی ضرورت ہے،عدم جواز کا فتوٰی تو تب دیا جائے جب حکومت عوام الناس کو روٹی، کپڑا اور مکان مہیا کرنے کی ضمانت فراہم کرے۔موجودہ حالات میں انشورنس کے جواز اور عدم جواز کے فتوٰی کے لئے اس کا عہد نبوی اور عہد فاروقی سے موازنہ نہیں کیا جانا چاہئے۔ وہ تو ایک ایسی فلاحی ریاست تھی جو ہر وقت مفلوک الحال اور بے بس و بے کس لوگوں کی پشت پناہی اور رہنمائی کے لئے ہمہ وقت مستعد رہتی تھی۔حضرت عمرؓ نے تو یہاں تک کہ دیا تھا کہ اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی پلا بھوک سے مرگیا تو اس کا عمرؓ جوابدہ ہوگا۔(۲۲) مگر یہاں بیسیوں انسان بھوک وافلاس سے مجبور ہوکر زندگیوں کا خاتمہ کررہے ہیں لیکن کوئی ان کا پرسان حال نہیں ہے۔اُحکام کی عملی تطبیق میں حالات کو پیش نظر رکھا جانا چاہئے۔ اگر قرون اولی جیسے حالات پیدا ہوجائیں تو انشورنس کی مروجہ تمام شکلیں یقیناً حرام ہیں،لیکن پاکستان اور اس جیسے دیگر ممالک کے معروضی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہاں اضطرار کے ساتھ انشورنس کے عدم جواز کے فتوٰی پر غور کیا جانا چاہئے۔علماء کرامؒ میں فقہی اختلاف دین اسلام میں وسعت کا آئینہ دار ہے،لہذا شریعت اسلامی کے توسع کے اس رجحان سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہئے۔

هيئة كبار العلماء السعودیہ نے اپنے دسویں جلسہ منعقدہ بتاریخ ۴ ربیع الثانی ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء کو انشورنس کے متعلق بحث کی اور اس نتیجے پر پہنچی کہ تجارتی بیمہ اپنی موجودہ شکل میں حرام ہے اور تعاونی بیمہ جائز ہے۔(۲۳) اسلامی اقتصادیات کی عالمی پہلی

کانفرنس منعقدہ ۲۱ تا ۲۶ صفر ۱۳۹۶ھ بمطابق ۲۱ تا ۲۶ فروری ۱۹۷۶ء مکہ مکرمہ میں انشورنس کے متعلق بحث کی اور عدم جواز کا فیصلہ کیا۔ مصطفیٰ احمد الزرقاء نے "نظام التامین، موقعة في الميدان الاقتصادي و مؤقف الشريعة" یعنی معاشی نظام میں بیمہ کا کردار اور شریعت کا مؤقف کے موضوع پر مقالہ پیش کیا اور اسے شرعاً جائز قرار دیتے ہوئے اسے تعاون وتضامن کی پسندیدہ شکل قرار دیا۔(۲۴)

علماء ہند نے انشورنس کو ناجائز قرار دیا ہے لیکن بھارت کے مخصوص حالات جن میں مسلمانوں کے مال و جان ہر وقت خطرے میں رہتے ہیں جائز قرار دیا ہے مجلس تحقیقات شرعیہ لکھنو نے اپنے اجتماع مورخہ ۱۵/۱۶ دسمبر ۱۹۶۵ء میں انشورنس کے مسئلہ پر غور کیا اور لکھا۔ مجلس یہ رائے رکھتی ہے کہ اگرچہ انشورنس کی سب شکلوں کے لئے ربا و قمار لازم ہے اور ایک کلمہ گو کے لئے ہر حال میں اصول پر قائم رہنے کی کوشش کرنا ہی واجب ہے لیکن جان و مال کے تحفظ و بقاء کا جو مقام شریعت اسلامیہ میں ہے مجلس اس رائے کو بھی وزن دیتی ہے۔ نیز مجلس صورت حال سے بھی صرف نظر نہیں کرسکتی کہ موجودہ دور میں ملکی بلکہ بین الاقوامی ریاستوں سے انشورنس انسانی زندگی میں اس طرح دخیل ہوگئی ہے کہ اس کے بغیر اجتماعی اور کاروبار زندگی میں طرح طرح کی دشواریاں پیش آتی ہیں اور جان و مال کے تحفظ کے لئے بھی بعض حالات میں اس سے مفر ممکن نہیں ہوتا اس لئے ضرورت شدیدہ کے پیش نظر اگر کوئی شخص اپنی زندگی یا اپنے مال یا اپنی جائیداد کا بیمہ کرائے تو مذکورہ بالا ائمہ کرام کے قول کی بناء پر شرعاً اس کی گنجائش ہے۔(۲۵)

اکیڈمی کے اختیار کردہ پچاس سے زائد موضوعات میں سے دو موضوعات ایسے ضرور ہیں جو غیر مسلم معاشرے کے پس منظر میں زیر غور آئے ہیں، یہ ہیں انشورنس اور مسلم و غیر مسلم کے تعلقات۔ ان میں سے انشورنس کے مسئلے پر اکیڈمی نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ اگرچہ شرعی ممنوعات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے حرام ہے لیکن ہندوستان کے موجودہ حالات میں جان و مال کے تحفظ کی شرعی اہمیت کے پیش نظر انشورنس کرانے کی اجازت ہے۔(۲۶)

انشورنس کے مسئلے پر یورپی افتاء کونسل نے واضح کیا ہے کہ لائف انشورنس غرر و جہالت اور ربا پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، اور اس کا متبادل تعاونی یا تکافلی انشورنس ہے، جس میں رقم واپس نہیں کی جاتی، (۲۷) البتہ یورپ کے مخصوص حالات میں جہاں قانوناً انشورنس ضروری ہو جیسے تھرڈ پارٹی انشورنس، یا جہاں انشورنس کی شدید ضرورت ہو اور بڑے نقصان سے تحفظ مقصود ہو، جیسے گاڑی، مکانات، پروفیشنل اور تجارتی اداروں کا انشورنس، اسلامی اداروں جیسے مدارس، مراکز اور مساجد کا انشورنس اور بعض حالات میں میڈیکل انشورنس وغیرہ، ان جگہوں پر انشورنس کرائی جاسکتی ہے۔(۲۸)

بیمہ یا انشورنس ایک نوعیت کا عقد معاونت ہے جس میں لوگ ایک متعین رقم بالاقساط اس لئے ادا کرتے ہیں کہ ان میں سے کسی کے جان و مال کو کوئی نقصان پہنچے تو لوگوں کی جمع شدہ رقوم سے ایک مقررہ قاعدے کے مطابق اس کے نقصان کا ازالہ کردیا جائے یہ رقوم کبھی واپس نہیں کی جاتیں، بلکہ جو افراد یا ادارے یہ ذمہ داری اٹھاتے ہیں انہیں اس عقد معاونت کے شرکا یہ حق بھی دیتے ہیں کہ

اپنی اس خدمت کے معاوضے میں ان کی جمع شدہ رقوم کو وہ جس طرح چاہیں استعمال کر سکتے ہیں۔ یہ ایک غیر معمولی نظام ہے جو نقصان کے ازالے اور مشکل حالات میں لوگوں کی معاونت کے لئے مرتب کیا گیا ہے۔ اس کی افادیت اب ہر جگہ تسلیم کی جاتی ہے۔ قبیلہ، برادری اور عاقلہ کا نظام ختم ہو جانے کے بعد یہ ایک بہترین متبادل ہے جو دور حاضر کی معیشت نے دنیا کو فراہم کیا ہے۔ اس میں بظاہر کوئی قباحت نظر نہیں آتی لیکن علماء کرام بالعموم اسے حرام قرار دیتے ہیں۔ جو علمائے کرام انشورنس کو حرام قرار دیتے ہیں ان کی طرف سے اس نظام پر درج ذیل اعتراضات کیے گئے ہیں:

1 بیمہ کے ادارے کسی نقصان کی صورت میں جو رقم ادا کرتے ہیں وہ اداشدہ قسطوں سے بالعموم زیادہ ہوتی ہے، یہ سود ہے اور سود اسلامی شریعت میں ممنوع ہے۔ پھر یہ ادارے آگے بھی اپنے اموال سودی کاروبار میں لگاتے ہیں جس کا کچھ نہ کچھ حصہ ان لوگوں کو بھی پہنچ جاتا ہے جنہیں ازالۂ نقصانات کے لئے رقوم ادا کی جاتی ہیں۔

2 بیمہ کرانے والے بارہا معمولی رقم کے عوض موت یا حوادث یا نقصان کی صورت میں بڑی بڑی رقمیں وصول کر لیتے ہیں، یہ جوا ہے اور جوا بھی اسلامی شریعت میں ممنوع ہے۔

3 بیمہ جس چیز کے لئے کیا جاتا ہے اس کا وجود متحقق نہیں ہوتا، محل عقد بھی غیر واضح ہوتا ہے اور بیمہ کرانے والے یہ بھی نہیں جانتے کہ انہیں کب تک اور کتنی اقساط دینا پڑیں گی، فقہاء کی اصطلاح میں یہ تینوں چیزیں بالترتیب غرر، غبن اور جہالت کہلاتی ہیں جن کے ساتھ کوئی معاہدہ جائز نہیں ہے۔ نبی ﷺ نے اس طرح کے معاہدات سے منع فرمایا ہے۔

مذکورہ بالا اعتراضات پر اگر غور کیا جائے تو یہ بالکل بے بنیاد معلوم ہوتے ہیں۔ پہلا اعتراض اس لئے بے بنیاد ہے کہ بیمہ میں جو رقوم بالاقساط ادا کی جاتی ہیں وہ کوئی قرض نہیں ہوتیں۔ اپنی معاونت کے وعدے پر وہ دوسروں کی معاونت کے لئے دی جاتی ہیں۔ لہذا کبھی واپس نہیں لی جاتیں۔ بیمہ کے ادارے انہیں سودی کاروبار میں لگاتے ہیں تو اپنے حق استعمال کی بنا پر لگاتے ہیں۔ اس کی کوئی ذمہ داری بیمہ کرانے والوں پر عائد نہیں ہوتی۔ بیمہ جس معاملے کے لئے کرایا جاتا ہے وہ پیش آجائے تو جو کچھ ملتا ہے، معاہدے کی رو سے دوسروں کی جمع شدہ رقوم سے ملتا ہے۔ بیمہ کی حقیقت یہی ہے اور اسے اسی لحاظ سے دیکھنا چاہیے۔ دوسرا اعتراض اس لئے بے بنیاد ہے کہ کہ جوا ایک کھیل اور محض قسمت آزمائی ہے۔ اس میں جو لوگ شریک ہوتے ہیں وہ ازالہ نقصان کے لئے ایک دوسرے کی معاونت کا کوئی نظام قائم کرنے کے لئے شریک نہیں ہوتے۔ دونوں کی حقیقت الگ ہے اور دین کے احکام ادنی مماثلت پر نہیں، بلکہ اشیا کی حقیقت پر مبنی ہوتے ہیں۔ تیسرا اعتراض اس لئے بے بنیاد ہے کہ غرر، غبن اور جہالت سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی ہدایات سد ذریعہ کے طور پر اور بیع وشرا میں رفع نزاعات کے لئے ہیں۔ بیمہ بیع وشراء کا کوئی معاملہ نہیں ہے، بلکہ یہ باہمی تعاون کا ایک نظام ہے جس کا اہتمام کرنے والے افراد اور اداروں کو ان کی خدمت کے معاوضے میں جمع شدہ رقوم کو استعمال کرنے کا حق دیا جاتا ہے۔ اس کی اس حقیقت کو نظر انداز کر کے اس پر کوئی حکم لگانا کسی طرح موزوں معلوم نہیں ہوتا۔

حکومتی سطح پر قیمتوں کے تعین کا معاملہ

معاشی مسائل میں سے ایک اہم معاملہ قیمتوں کے تعین کا بھی ہے۔اقتصادیات کی زبان میں اسے تسعیر کہا جاتا ہے۔عصر حاضر میں یہ سوال اہمیت اختیار کر گیا ہے کہ اشیاء کی قیمتوں کا تعین کون کرے۔نرخ بندی یا پرائس کنٹرول سے متعلق موضوع پر علماء کرام نے سیر حاصل گفتگو کی ہے کہ اشیاء کی قیمتوں کا تعین کون کرے گا، اشیاء کا مالک یا حکومت۔

تسعیر کا مفہوم

تسعیر کی اصطلاح سعر سے مشتق ہے جس کے معنی قیمت کے ہیں، چنانچہ تسعیر کا مطلب ہوگا تقدیر السعر (۲۹) یعنی قیمت کا تعین کرنا۔لہذا عمومی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ اشیاء کی قیمتوں، کرایوں، منافع اور اجرتوں کی شرح مقرر کرنا تسعیر کہلاتا ہے۔اس اصطلاح کو ایسے بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ تسعیر سے مراد یہ ہے کہ حاکم یا اس کا نائب لوگوں کے لئے اشیاء کی قیمتیں مقرر کردے اور انہیں اس امر کا پابند کردے کہ وہ اسی کے مطابق لین دین کریں۔

"تقدیر السلطان او نائبه للناس سعرا، واجبارهم على التبايع بما قدره."(۳۰)

تسعیر کی شرعی حیثیت

اجرت اور منافع کے تعین میں اصل معیار تو طلب اور رسد کا فطری نظام ہے، لیکن اشیائے صرف تیار کرنے والے صنعتکار، تاجر اور آجروں کو کھلی چھٹی بھی نہیں دی جاسکتی کہ وہ مصنوعی طور پر اشیاء کی قلت پیدا کر کے من مانی قیمتیں وصول کریں یا مزدوروں کی معاشی مجبوریوں سے فائدہ اٹھا کر مناسب اور متعارف اجرتوں سے کم پر سودا کریں۔مناسب اجرت اور مناسب قیمت وہی ہوتی ہے جو عرف عام کے مطابق ہو اگر تاجر اور صنعت کار احتکار اور اکتناز کے ذریعے اشیاء کی مصنوعی قلت پیدا کردیں تو حکومت کو یہ اختیار حاصل ہونا چاہیے کہ وہ ان کا مال مناسب قیمت پر خود فروخت کر کے قیمت اس کے حوالے کردے یا اس کے نام پر بنک میں جمع کردے۔کتب فقہ میں لکھا ہے کہ:۔

> "انسانوں اور جانوروں کی خوراک کی ذخیرہ اندوزی مکروہ ہے، اس شہر میں جہاں اس سے شہریوں کو نقصان پہنچتا ہو۔شہر کا قاضی ذخیرہ اندوزوں کو حکم دے گا کہ اپنا وہ مال باہر لا کر فروخت کردیں جو ان کے اور ان کے اہل خانہ کی خوراک سے زائد ہو۔اگر انہوں نے خود اپنا زائد مال فروخت نہ کیا تو قاضی انہیں سزا دے گا اور ان کا زائد از ضرورت مال از خود باہر
>
> لا کر فروخت کردے گا۔اس پر سب کا اتفاق ہے۔ابن عابدین اس پر لکھتے ہیں کہ "یہی رائے صحیح ہے اور اگر حاکم وقت کو کسی شہر کے لوگوں کے ہلاک ہونے کا خطرہ ہو تو وہ ذخیرہ اندوزوں کا مال لے کر اس شہر کے لوگوں پر

تقسیم کردے گا اور جب شہریوں کے پاس مال آجائے تو وہ اس مال کو واپس کردیں گے۔ یہ حجر (مالک کو اپنے مال میں تصرف سے روکنا) نہیں ہے بلکہ ایسا ضرورت کی وجہ سے کیا جائے گا۔ جو شخص دوسرے کا مال استعمال کرنے پر مجبور ہو گیا یعنی اسے اپنی موت کا خطرہ لاحق ہو گیا ہو تو وہ مالک کی رضامندی کے بغیر بھی اس کا مال لے سکتا ہے۔''(۳۱)

مذکورہ بالا عبارت کا حاصل یہ ہے کہ مصنوعی قلت پیدا کرنے والوں کا زائد از ضرورت مال حاکم از خود فروخت کر کے قیمت ان کو دیدے گا۔ اور حاشیہ ابن عابدین کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ اضطرار اور قحط سالی کی صورت میں جب لوگ بھوک سے مر رہے ہوں تو اس وقت حاکم وقت ذخیرہ اندوزوں کا زائد از ضرورت مال جبراً لے کر مفت تقسیم کردے گا۔ اور بھوک سے مرنے والا شخص خود بھی لے کر استعمال کر سکتا ہے البتہ بعد میں اس کے عوض میں اتنا مال واپس کرنا ہو گا جتنا لیا گیا تھا۔ لیکن درست یہ ہے کہ لوٹانا بھی ضروری نہیں ہے۔ اس لیے کہ اضطراری حالت میں جب یہ مال لینا شرعاً جائز ہے تو جائز ذریعے سے حاصل کردہ مال واپس کرنا یا اس کا عوض دینا ضروری نہیں۔ اضطراری حالت میں فاضل مال خرچ کرنا واجب ہے، اگرچہ عام حالات میں زکوۃ وعشر وصدقات واجبہ سے زائد دینا لازم نہیں ہے، اور واجب الادا مال لوگوں سے جبراً بھی وصول کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح عام حالات میں قیمتوں کا تعین کرنا حکومت کے لئے مناسب نہیں ہے بلکہ طلب اور رسد کے عام فطری اور قدرتی حالت پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ پیداوار کم اور ضرورت زیادہ ہوگی تو چیزیں مہنگی ہو جائیں گی اور اگر پیداوار زیادہ اور ضرورت کم ہو تو چیزیں ارزاں ہو جائیں گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ'' اشیا کی قیمتیں مقرر کرنے والا خدا ہے جو کبھی چیزیں کم کر دیتا ہے اور کبھی زیادہ کر دیتا ہے اور وہی روزی رساں ہے۔''(۳۲)

لیکن اگر تاجر قیمتوں میں غبن فاحش کرتا ہو یعنی مناسب قیمت سے زائد وصول کرتا ہو اور اصلاح کی اور کوئی صورت نہ ہو تو حکومت قیمتوں کا تعین کر سکتی ہے۔ ابن عابدینؒ لکھتے ہیں کہ:'' حاکم نرخ بندی نہیں کرے گا مگر اس وقت کر سکتا ہے جب اشیاء صرف کے مالک قیمتوں میں معروف حد سے بہت زیادہ تجاوز کرنا شروع کردیں۔ امام زیلعیؒ وغیرہ نے اس کی تشریح یہ کی ہے کہ دوگنی قیمت وصول کرنا شروع کردیں تو اس وقت اہل الرائے کے مشورے سے حاکم قیمتیں مقرر کردے گا۔ امام مالک نے کہا کہ مہنگائی کے سال حاکم پر نرخ بندی لازم ہے۔''(۳۳) مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ قیمتوں کے تعین کا اختیار اصلاً تو فروخت کنندہ پر ہے تاہم اصلاح احوال اور جلب المصالح اور دررء المفاسد کے طور پر حکومت بھی قیمتیں متعین کر سکتی ہے۔ لہذا حفظ مال کے پیش نظر اس ضمن میں مؤثر اقدام کی ضرورت ہے۔

مروجہ نظام زمینداری اور اسلام

اسلام انفرادی ملکیت کے حق کو کچھ شرائط اور قیود کے ساتھ جائز قرار دیتا ہے۔ یہی حدود وقیود معاشی نظام میں اعتدال اور توازن قائم رکھتی ہیں، ان کے فقدان سے معاشی نظام میں راہ فساد کھلتی ہے۔ اسلام ایک فطری اور ابدی دین ہے جو زمان اور مکان کی

قیود سے بالاتر ہے اس میں زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق اصولی تعلیم موجود ہے۔ زمانہ کے حالات اور تقاضے کے مطابق زندگی کے مسائل کو اصولی تعلیم کی روشنی میں حل کیا جا سکتا ہے۔ اسلام نے انفرادی ملکیت کی کوئی حدود مقرر نہیں کی، تاہم اس نے زمین کا ایک خاص مقصد بیان کیا ہے جس کے تحت انفرادی ملکیت کی زمانہ اور حالت کے پیش نظر حد بندی کی جا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں زمین کا مقصد وحید یہ بیان کیا ہے کہ وہ مخلوق کے لئے اناج پھل پھول اور ضروریات زندگی پیدا کرے۔ اس اصول کی روشنی میں زمانہ کے تقاضے اور حالات کے مطابق زرعی نظام قائم کیا جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ۔

﴿ وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ﴾(۳۴)

''اور زمین کو مخلوق کے لئے رکھا ہے اور اس میں پھل، گابھوں والی کھجوریں اور بھس والا دانہ اور خوشبودا پھو ہیں۔''

کسی بھی ملک کی ترقی اور معاشی خوشحالی اور نظام کی مضبوطی میں زرعی شعبہ اہم کردار ادا کرتا ہے، لیکن جب یہی زمین صرف چند افراد کے قبضے اور تصرف میں آجائے تو یہ سیاسی اور معاشی نظام کا دیوالیہ نکال دیتی ہے۔ تاریخ سے ایسی بیسیوں مثالیں دی جا سکتی ہیں، لیکن سب سے بڑی مثال ہمارا ملک پاکستان ہے جو زرعی ملک اور قدرتی وسائل کی کثرت کے باوجود معاشی طور پر دیوالیہ ہو چکا ہے ، جہاں زرخیز ترین زرعی زمین اور انواع واقسام کے وافر مقدار میں پھل اور اجناس کی پیداوار کے ہوتے ہوئے بھی ہر چیز کی قلت اور بحران ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ زرعی زمین صرف چند خاندانوں میں نسل در نسل منتقل ہو رہی ہے ، جس کی وجہ سے دولت کا بہاؤ زمیندار طبقہ کی طرف ہے اور عام آدمی غربت کی لائن سے بھی بہت نیچے زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ ایسی ہی وجوہات کی بنا پر فقہاء کرامؒ نے جاگیرداری نظام کو ناجائز قرار دیا ہے۔ ذیلی سطور میں جاگیرداری کا تعارف کرواتے ہوئے مقاصد شریعت کی روشنی میں زمین کی اس تقسیم کار کا جائزہ لیا گیا ہے۔

جاگیر ایسی زمین کو کہا جاتا ہے جو حکومت مفاد عامہ کی خاطر غیر آباد زمین کو آباد کاری کے لئے کسی فرد کو اس کی قومی وملی خدمات کے اعتراف میں عطا کرے اور موقع ضرورت اور مصلحت کے مطابق اس سے سرکاری ٹیکس بھی وصول کرے۔ ایسی زمین کو قطیعہ کہا جاتا ہے۔ علامہ بدرالدین عینیؒ فرماتے ہیں کہ'' قطائع قطعیہ کی جمع ہے، اور خلیفہ کے قطائع دینے کی یہ صورت ہے کہ جس شخص میں وہ کوئی صلاحیت یا اسلامی ریاست کے لئے غیر معمولی خدمات کو دیکھے تو اللہ تعالیٰ کے اموال میں سے کچھ حصہ خلافت کی جانب سے اس کو عطا کر دے، فقہائے کرام نے اکثر اس لفظ کا استعمال اراضی کے لئے کیا ہے، اس کی درج ذیل دو صورتیں ہوتی ہیں۔

1 یا تو زمین کی ذات اور منفعت دونوں کا مالک بنا دیا جاتا ہے۔
2 یا صرف زمین کی منفعت کا مالک بنا دیا جاتا تھا۔(۳۵)

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ’’خلیفہ کو قطائع دینا جائز ہے چاہے وہ زمین کا مالک بنا دے اور چاہے مالک نہ بنائے صرف نفع اٹھانے کیلئے دے۔‘‘ (۳۶) الاحکام السلطانیہ کے مؤلف فرماتے ہیں کہ قرون اولی میں تین قسم کی اراضی حکومت کی جانب سے لوگوں کو بطور قطیعہ دی جاتی تھیں:

۱ بنجر زمینیں

ایسی زمین جو ویرانی اور سختی کی وجہ سے غیر آباد چلی آتی تھیں، ایسی زمینوں کو آباد کرنے کے لئے خلافت نے لوگوں میں تقسیم کر دیا۔(۳۷)

۲ افتادہ زمین

ایسی زمین جو قابل کاشت ہوتی تھیں لیکن کسی وجہ سے آباد نہ ہوتی تھیں۔حضرت بلال بن حارث کو رسول اللہ ﷺ نے وادی عقیق اسی زمین سے قطیعہ عطا کیا تھا۔(۳۸)

۳ خالصہ زمین

خالصہ زمین میں مفتوحہ علاقوں کی وہ تمام اراضیات شامل ہوتی تھیں جو خلافت کے لئے خالصہ قرار دی جاتی تھیں۔ایسی اراضیات کی متعدد اقسام تھیں، مثلاً:

- i جن اراضی کے مالک جنگ میں مارے جاتے تھے۔
- ii یا بھاگ جاتے تھے۔
- iii شاہی جاگیریں جو صرف بادشاہ کے صرف خاص کیلئے خالصہ ہوتی تھیں۔
- iv شاہی خاندان اور افسران کی زمینیں۔
- v ترائی جھیلیں جھاڑیاں وغیرہ۔

مذکورہ بالا اور اس قسم کی تمام وہ اراضیات جن پر چند افراد قابض ہوتے تھے اور عیش کی زندگی بسر کرتے تھے۔اسلامی فتح کے بعد ان کا کوئی مالک اور آباد کرنے والا نہ رہ جاتا تھا۔ایسی تمام اراضیات خلافت کے لئے خالصہ ہو کر مفاد عامہ کے لئے وقف ہو جاتی تھیں۔(۳۹)

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ایسی زمین اس مال جیسی ہوتی جو نہ کسی کا ہو اور نہ کسی کے قبضہ میں ہو۔(۴۰)

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات نمایاں طور پر سامنے آجاتی ہے کہ عہد رسالت اور خلافت میں انہی زمینوں میں سے لوگوں کو قطائع دی گئیں جو غیر آباد ہوتیں اور کسی کے قبضہ میں بھی نہ ہوتیں اور ان کے آباد کرنے سے ملک کی معاشی حالت بہتر ہوتی اور ایسی

زمین نہ ہوتی تھی ، جس سے مفاد عامہ وابستہ ہوتا، مثلاً عام چراگاہ یا جنگل وغیرہ۔ نہ ہی ایسی زمین ہوتی جس کے عطا کرنے سے کسی دوسرے کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا۔ عہد رسالت اور عہد خلافت میں حسب ذیل لوگوں کو قطائع دیئے گئے۔

۱ جو زمین کو آباد کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔

۲ جو مفاد عامہ کی خدمت پر مامور ہوتے تھے۔

۳ جن کے سپرد ملک اور قوم کا دفاع ہوتا تھا۔

۴ نومسلموں کو تالیف قلب کے لئے بھی قطائع دیئے جاتے تھے۔

علامہ مقریزیؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خلفاء انہی لوگوں کو قطائع دیتے تھے جن کے دینے میں ملک کی بھلائی ہوتی تھی اور تالیف قلوب مقصود ہوتی تھی۔(۴۱)

اقطاع دینے کے اغراض ومقاصد

۱ رسول اللہ ﷺ اور زمانہ خلافت میں ویران اور افتادہ زمینیں کثرت سے تھیں، ان کو آباد کرنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ یہ لوگوں میں تقسیم کی جاتیں۔

۲ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت تک فوجیوں اور دوسرے عمال کی تنخواہیں مقرر نہ تھیں، ان کی گزر ان کے لئے ضروری تھا کہ ان کو قطاع دیئے جاتے۔

۳ ملک کی معیشت کی بہتری زرعی پیداواری کے بڑھنے میں مضمر ہے ، اس وجہ سے اسلامی حکومت نے پیداوار کو بڑھانے کیلئے مختلف افراد میں قطائع تقسیم کر دیئے۔

حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ'' میرے خیال میں غیر مملوکہ اور غیر آباد زمینوں کو بے کار چھوڑ رکھنے کی بجائے امام کو چاہئے کہ انہیں بطور جاگیر مختلف افراد کو دیدے اس طرح ہمارے علاقے زیادہ آباد اور خوشحال ہو جائیں گے اور خراج میں بھی اضافہ ہوگا۔''(۴۲)

قطائع پر خلافت کے اختیارات باقی رہتے تھے اور جس غرض کے لئے کسی کو قطیعہ دیا جاتا تھا، اگر وہ غرض پوری نہ ہوتی تو خلافت اس شخص سے جاگیر واپس لے لیتی تھی۔ اسی بناء پر حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ لنا رقاب الارض یعنی زمین ہماری خلافت کی ہے۔(۴۳)

حضرت علیؓ نے ایک شخص سے اس کے اسلام قبول کرنے کے بعد فرمایا کہ ان ارضک فھی لنا یعنی بے شک تری زمین ہماری خلافت کی ملکیت ہے۔(۴۴) ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ'' ہر وہ زمین جس کی آبادکاری سے لوگ درماندہ اور عاجز

رہیں اور حقوق عامہ جو زمین سے متعلق ہیں پامال ہونے لگیں تو اس کے انتظام و انصرام کے بارے میں خلافت کو پورا اختیار حاصل ہے۔(۴۵) امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ خلافت بلا وجہ لوگوں سے قطائع واپس نہ لے البتہ اگر حقوق کی ادائیگی نہ ہو رہی ہو تو قطائع لینے کا پورا اختیار حاصل ہے۔(۴۶) رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال بن حارث مزنیؓ کو جاگیر کا ایک بڑا ٹکڑا عطا فرمایا تھا۔ یہ جاگیر اتنی بڑی تھی کہ حضرت بلالؓ اس کے بیشتر حصے کو آباد نہ کر سکے۔ جب حضرت عمرؓ کا عہد آیا تو حضرت بلال کو بلوایا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے تم کو قطعیہ دیا تھا، اس سے فائدہ اٹھاؤ، مگر اتنی بڑی جاگیر کو تم آباد کرنے سے معذور ہو۔ لہذا بقدر ضرورت رکھ لو اور باقی خلافت کو واپس کر دو تا کہ ضرورت مند لوگوں میں تقسیم کی جا سکے۔ اس کے جواب میں حضرت بلال بن حارث نے فرمایا کہ:

''خدا کی قسم میں اس جاگیر میں سے کوئی حصہ بھی واپس نہیں کروں گا جو رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمائی تھی۔ حضرت عمرؓ نے کہا خدا کی قسم تم کو کرنا ہی پڑے گا۔ اور جس قدر وہ اراضی آباد نہ کر سکے تھے اس کو حضرت عمرؓ نے ان سے واپس لے کر مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔'' (۴۷)

قوم بجیلہ کی زمینیں واپس لینے کا فیصلہ

خالصہ کی زمین کا ایک حصہ حضرت عمرؓ نے قوم بجیلہ کو دیدیا۔ دو تین سال تک اس سے فائدہ اٹھاتے رہے لیکن جب خلافت نے مفاد عامہ کے پیش نظر زمینوں کو واپس لینا چاہا تو بغیر کسی تذبذب اور پس و پیش قوم بجیلہ نے خلافت کے حوالے کر دیں۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ قیس بن حازم کہتے ہیں۔ جنگ قادسیہ کے دن اسلامی فوج میں قوم بجیلہ کے لوگ چوتھائی تھے حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کو سواد کا چوتھائی حصہ دیدیا۔ دو یا تین سال تک وہ اس زمین پر قابض رہے۔ ایک مرتبہ کسی ضرورت سے اسی قبیلہ کے چند افراد عمار بن یاسر اور جریر وغیرہ حضرت عمرؓ کے پاس تشریف لائے تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ آپ لوگ اس زمین کو عام مفاد خلق کے لئے خلافت کے حوالہ کر دیں۔ اس پر ان لوگوں نے حکم کی تعمیل کی اور زمین خلافت کے حوالے کر دی اس کے بعد حضرت عمرؓ نے سرکاری خزانہ سے جریر کو اسی دینار عطا فرمائے۔(۴۸)

جب اس بات کا علم قوم بجیلہ کی ایک عورت ام کرز کو ہوا تو اس نے اپنے حصہ کی زمین واپس کرنے میں لیت و لعل کیا، اور حضرت عمرؓ کے پاس خود آکر درخواست کی۔ اے امیر المؤمنین میرے والد فوت ہو گئے ہیں سواد کی زمین میں اس کا بھی حصہ تھا جو مجھے ترکہ میں ملا ہے میں اس کو واپس نہیں کروں گی۔ حضرت عمرؓ نے کہا اے ام کرز تیری قوم نے واپس کر دی ہے جبکہ تجھے علم ہے۔ اس نے جواباً کہا قوم نے جو کچھ کیا ہے مجھے اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ میں تو اس وقت تک واپس نہیں کروں گی جب تک کہ آپ مجھے ایک سدھائی ہوئی اونٹنی نہ دیں جس پر سرخ رنگ کی چادر ہو اور سونے سے میرا ہاتھ بھر دیں۔ حضرت عمرؓ نے ایسا ہی کیا جو نقدی اس کو دی تھی وہ تقریباً اسی دینار تھی۔(۴۹)

مذکورہ بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین نے مفاد عامہ کے پیش نظر زرعی معاشی ترقی کے لئے لوگوں کو قطائع دیے تھے اور ان پر خلافت کا پورا اختیار تھا۔ جن لوگوں نے زمینوں کو آباد نہ کیا ان سے زمینیں واپس لے لیں اور دوسرے لوگوں میں تقسیم کر دیں۔ بجیلہ قوم سے زمین واپس لینے کے واقعہ سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ صاحب زمین کی رضامندی ضرور ہے۔ ابوبکر جصاصؒ قوم بجیلہ کا واقعہ ذکر کرنے کے بعد رقمطراز ہیں کہ:

> ''اس واقعہ میں ان کی رضامندی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ حضرت عمرؓ نے واضح طور پر غیر مبہم الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ زمین کو واپس کیے بغیر کوئی چارہ نہیں کیونکہ اس میں لوگوں کی بہبود ہے۔ باقی رہا ام کرز کا معاملہ تو اس کو حضرت عمرؓ نے بیت المال سے بطور امداد رقم دی تھی۔ ویسے بھی خلیفہ کو اختیار تھا کہ عورت کے قبضہ سے زمین واپس لئے بغیر بیت المال سے اس کو عطیہ دیتے۔'' (۵۰)

دور خیر کے قطائع اور موجودہ جاگیرداری نظام

دور خیر اور قرون اولی کے قطائع اور موجودہ جاگیرداری نظام کے درمیان کوئی مطابقت نہیں ہے، اس دور کے قطائع کے پیش نظر موجودہ دور کے جاگیرداری نظام کو جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔ دور خیر کے قطائع اور موجودہ جاگیرداری نظام میں درج ذیل فرق ہے۔

i　ایک وجہ تو یہ ہے کہ قرون اولی میں قطائع دینے والا امام عادل تھا۔ موجودہ دور کی جاگیرداری کا ایک بڑا حصہ وہ ہے جو انگریزوں نے ان لوگوں کو دیں جنھوں نے اپنے ملک کے خلاف برطانیہ حکومت کی وفاداری کا ثبوت دیا تھا۔ کچھ جاگیریں سکھوں کے عہد حکومت کی یادگار ہیں اور کچھ مغلیہ دور کی۔

ii　مختلف حکومتوں کی طرف سے یہ جاگیریں زرعی پیداوار بڑھانے اور ملک کو خوش حال کرنے کے لئے نہیں دی گئی تھیں، بلکہ یہ محض من پسند افراد کو خوشحال کرنے اور ان کا معیار زندگی بلند کرنے کے لئے دی گئی تھیں۔

iii　یہ جاگیریں تالیف قلوب کے لئے نہیں دی گئی تھیں بلکہ برطانوی اقتدار کی جڑوں کو مضبوط کرنے اور اپنوں کا گلا کاٹنے کے اعتراف میں دی گئیں تھیں۔

iv　یہ جاگیریں مفاد عامہ کے پیش نظر نہیں بلکہ مفاد عامہ کو نقصان پہنچا کر مخصوص افراد کو خوش کرنے کے لئے دی گئی تھیں۔

مذکورہ بالا وجوہ کی بنا پر موجودہ جاگیرداری نظام مقاصد شریعت کے منافی اور اسلامی تعلیمات سے متصادم ہے، اس کے باطل ہونے کے شرعی وجوہ حسب ذیل ہیں:

۱ اجارہ داری

اجارہ داری اسلام کے نظام معیشت وتجارت کے منافی ہے، کیونکہ یہ چند آدمیوں کا زمین کے ایک وسیع رقبہ پر قبضے کا نام ہے۔اس سے تمام زرعی پیداوار چند ہاتھوں میں محدود ہوکر رہ جاتی ہے،اس طرح افراد کا یہ مخصوص طبقہ اشیاء خوردنی کو گراں ترقیمتوں پر فروخت کر کے ان کے مالک بن جاتے ہیں۔عوام کی تمام دولت ان کے قبضہ میں آجاتی ہے جس سے معاشرہ میں اقتصادی توازن بگڑ جاتا ہے۔

یہ نظام ارتکاز دولت کا سبب بنتا ہے،دولت کا چند لوگوں کے پاس مرتکز ہونا قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ کی رو سے قابل گرفت اور مقاصد شریعت کے منافی ہے۔

۲ اخوت کے منافی ہے

اسلام تمام مسلمانوں کے لئے پیغام اخوت لے کر آیا ہے۔دوسرے لوگوں کے حقوق کا تحفظ اسی صورت ممکن ہوگا جب ہر مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کی جان، مال اور عزت وآبرو کی حفاظت کرے گا۔ارشاد باری تعالی ہے کہ مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔(۵۱)

رسول اللہ ﷺ کے درج ذیل فرمان کو اکثر محدثین نے نقل کیا ہے ''المسلم أخو المسلم لا يظلمه ولا يسلمه.''(۵۲)

''معاشرے میں بھائی چارہ اس صورت میں ممکن ہے جب سب افراد کے حقوق وفرائض برابر ہوں۔جاگیردارانہ نظام مالک اور نوکر پر مشتمل دوطبقاتی نظام کا سبب بنتا ہے۔اس کی بدترین عملی صورت پاکستان میں دیکھی جاسکتی ہے۔قیام پاکستان سے لیکر اب تک قانون ساز اداروں میں جاگیرداروں کا قبضہ ہے۔یہ نظام مقاصد شریعت کی روشنی میں قانون سازی اور معاشی استحکام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔جب تک پاکستان میں یہ نظام موجود ہے اس وقت تک بہتری کے کوئی آثار نہیں ہیں۔

۳ معاشی مساوات کے منافی ہے

اسلام کے قانون معیشت میں معاشی مساوات کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہر ایک فرد کے پاس برابر دولت ہو۔اس قسم کی مساوات حیات اجتماعی کے منافی ہے۔اجتماعی نظام اس وقت ہی کامیابی سے چلے گا جب معاشرے میں مزدور بھی ہوں اور مالک بھی، کم رتبے کے لوگ بھی ہوں اور اعلی رتبہ کے بھی۔یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر شخص مختلف استعداد کار لے کر پیدا ہوتا ہے، اور اپنی اسی استعداد کی بنا پر وہ ترقی کرتا ہے،ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿نَحنُ قَسَمنَا بَينَهُم مَّعِيشَتَهُم فِي الْحَيَاةِ الدُّنيَا وَرَفَعنَا بَعضَهُم فَوقَ بَعضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعضُهُم بَعضاً سُخرِيّاً﴾(۵۳)

''ہم نے ان کے درمیان ان کی دنیا کی زندگی میں روزی تقسیم کی ہے اور ایک دوسرے پر درجے بلند کئے ہیں تا کہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے۔''

لہذا اسلام میں معاشی مساوات کا یہ مطلب ہے کہ تمام افراد کو ذرائع پیداوار میں حق انتفاع برابر سب کو حاصل ہو۔ اگر کوئی حکومت کسی فرد کو زمین کا ایک وسیع رقبہ دیدیتی ہے اور وہ بغیر محنت کے لاکھوں روپے حاصل کرے تو اسلام اس کو ناجائز قرار دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿ وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِّلسَّائِلِينَ ﴾ (۵۴)

''اور اس کی خوراکوں کا اس میں اندازہ کیا یہ چار دن میں کیا مانگنے والوں کے لئے برابر ہے۔''

اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ زمین سب میں برابر تقسیم کردی جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ انتفاع کا سب کو برابر حق دیا جائے۔ اب جو فرد انتفاع کیلئے اپنا حق استعمال نہیں کرتا اور زمین پر محنت نہیں کرتا تو وہ زمین کا سائل نہیں ہوگا۔ سائل وہ ہوگا جو دن رات ایک کر کے محنت کرتا ہے۔ پس جاگیرداری نظام سے معاشرے کا ایک بہت بڑا طبقہ حق انتفاع سے محروم ہو جاتا ہے جو اسلامی معاشی مساوات کے سراسر منافی ہے، لہذا جاگیرداری نظام ناجائز اور باطل اور مقاصد شریعت سے متصادم ہے۔

۴ کساد بازاری

جدید اقتصادی نظریہ کی رو سے معیشت میں کساد بازاری پیدا کرنے کے دو بنیادی عوامل ہیں۔ ایک سود اور دوسرا کرایہ پر دی جانے والی اراضیات، کرایہ پر دی جانے والی فالتو زمین اقتصادی لحاظ سے اتنا ہی نقصان دہ ہے جتنا سود۔ اگر اسلام سود کی ہر شکل کو حرام قرار دیتا ہے تو جاگیرداری نظام کو بھی ممنوع قرار دیا جانا چاہئے۔ جاگیردار طبقہ بازار میں طلب ورسد پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اشیاء کی مصنوعی قلت پیدا کر کے قیمتوں میں اضافے کا سبب بنتے ہیں۔ اسلام نے گردش زر کو برقرار رکھنے کے لئے جہاں اور بہت سے اقدامات کئے ہیں وہاں پر احتکار اور اکتناز کی شدید الفاظ میں مذمت کر کے اسے ناجائز قرار دیا ہے۔ احتکار اور اکتناز کی حرمت حفظ مال کے لیے ضروری تھی اس لئے شارع نے وہ تمام اقدامات کئے جو تحفظ مال کے لئے ناگزیر تھے۔ یہ نظام کمزور طبقے کا خون نچوڑ کر جاگیردار طبقہ کی تجوریوں میں بھرتا ہے اور کساد بازاری کا سبب بنتا ہے اس لیے یہ ناجائز اور مقاصد شریعت سے متصادم ہے۔

جب یہ ثابت ہوگیا کہ موجودہ جاگیرداری نظام باطل ہے تو اس کو توڑنا حکومت پر لازم ہے۔ اس کی نظیر تاریخ اسلامی میں موجود ہے۔ بنی امیہ کے امراء نے اپنے عہد حکومت میں غیر مسلموں کی زمینیں شاہی خاندان میں جاگیر کے طور پر تقسیم کردی تھیں۔ جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا عہد آیا تو انہوں نے ایسی تمام زمینیں شاہی خاندان کے افراد سے لے کر اصل مالکوں کے حوالے کر دیں۔ (۵۵) مروّجہ جاگیرداری نظام صرف معاشی مسئلہ ہی نہیں بلکہ معاشرتی، اخلاقی اور سیاسی بھی ہے۔ جاگیرداری نظام نے معاشرہ

دیں۔(۵۵) مروّجہ جاگیرداری نظام صرف معاشی مسئلہ ہی نہیں بلکہ معاشرتی، اخلاقی اور سیاسی بھی ہے۔جاگیرداری نظام نے معاشرہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے اور ان کے درمیان طبقاتی کشمکش جاری ہے۔جاگیردار دولت کے نشہ میں چور ہیں اور ہر قسم کی برائی کے مرتکب ہیں۔مزارعین کی جان مال اور عزت ان کے ہاتھوں محفوظ نہیں۔اپنے ظلم وجور کے بدنتائج سے بچنے کے لئے ملکی سیاست پر بھی غالب ہیں۔اسی نظام کے بل بوتے پر انتخاب جیتتے ہیں اور اس طرح حکومتی ایوانوں میں جاکر اپنے ہم نوالہ وہم پیالہ سرمایہ دار طبقے کے حقوق کی نگہداشت کرتے ہیں۔یہی وجہ ہے ملک میں غریب طبقہ میں بے چینی زیادہ پائی جاتی ہے۔ان تمام برائیوں سے بچنے کا صرف ایک طریقہ ہے وہ یہ کہ جاگیرداری نظام کو ختم کر دیا جائے۔

۵ ناخواندگی کو فروغ

مروجہ جاگیردارانہ نظام ناخواندگی کو فروغ دینے کا سبب بن رہا ہے۔جبکہ حصول تعلیم شارع کے اولین مقاصد میں سے ایک ہے، بلکہ اپنی اسی صفت علم کی وجہ انسان مسجود ملائک ہے۔دین اسلام کی تو ابتداء ہی علم کی اہمیت وافادیت سے ہوتی ہے۔جو نظام علم دشمنی پر مبنی ہو وہ انسان دوست ہو ہی نہیں سکتا۔اس حوالے سے جاگیردارانہ نظام علم دشمن اور انسان دشمن ہے، ایسا نظام یقیناً مقاصد شریعت سے متصادم ہے۔کاشتکار کو ہمیشہ وسائل معیشت کی کمی کا سامنا رہتا ہے اسلئے وہ اپنی اولاد کو زیور تعلیم سے کماحقہ آراستہ نہیں کر سکتا۔تعلیم چونکہ انسان میں شعور بیدار کرتی ہے جو جاگیردار طبقہ کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ یہ محروم طبقہ ان کے دست نگر اور ناخواندہ رہیں۔ان کی یہ کوشش معاشرے میں جہالت وناخواندگی کو فروغ دینے کا سبب بنتی ہے۔حصول علم دینی فریضہ اور مقاصد شریعت کی معرفت کا ذریعہ ہے، لہذا اس کے حصول میں حائل ہر رکاوٹ اور نظام باطل کا حصہ اور مقاصد شریعت کے منافی ہے۔

۶ جرائم کی حوصلہ افزائی

جاگیردارانہ نظام نے معاشرہ کو جرائم کی آماجگاہ بنا دیا ہے۔ملک پاکستان میں اس کی عملی صورت دیکھی جا سکتی ہے۔جاگیردار اپنے کسی حریف کو برداشت نہیں کر سکتا، ان کی باہمی نوراکشتی میں مفلس اور بے روزگار نوجوان ان کے دست وباز و بنتے ہیں اور پھر ناکامی کی صورت میں لعنت وملامت اور عتاب کا نشانہ بنتے ہیں، اکثر اوقات انہیں جان سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔جاگیرداروں کو ہر حال میں اپنی انا کی تسکین مطلوب ہوتی ہے جس کے لئے وہ ہر جائز وناجائز حربہ اختیار کرتے ہیں۔مجبور کاشتکار ان کی انا کی تسکین کے لئے یہ سب کچھ کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک سب کمی مباح الدم ہیں۔اس حوالے سے مروجہ جاگیردارانہ نظام باطل اور مقاصد شریعت سے متصادم ہے۔

۷ زرد سیاست

جمہوریت عوامی فلاح کا دلکش اور سنہرا خواب ہے۔ووٹ پر عوامی قیادت کا دارومدار ہوتا ہے، لیکن جاگیردارانہ معاشرہ میں

جمہوریت کی یہ دلکشی بھی ایک فریب کے سوا کچھ نہیں۔ایسا معاشرہ جہاں ضروریات زندگی کی کفالت کے جملہ وسائل چند افراد کے ہاتھ میں ہوں اور سیاست کے لئے دولت کی کھلی منڈی ہو وہاں غریب کاشتکار کے عوامی لشکر کو کسی تخریبی مقصد کے لئے تو استعمال کیا جا سکتا ہے لیکن کسی ترقیاتی اور نفع بخش کام کی سربراہی نہیں دی جا سکتی۔اس نظام کی موجودگی میں عوامی حکومت کا نعرہ عالمی اداروں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے۔صرف چہرے بدلتے ہیں حکومت ہر حال میں جاگیردار کی ہی رہتی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مقاصد شریعت کی حفاظت ایک صالح،مضبوط اور فلاحی نظام حکومت کے قیام سے ہی ممکن ہے اور ایسا صالح نظام حکومت اس جاگیردارانہ نظام کے خاتمہ کے بغیر ممکن نہیں۔جاگیردارانہ نظام سے مقاصد خمسہ بری طرح مجروح ہوتے ہیں۔پاکستان میں اس کی بدترین عملی شکل کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔مزارعین نسل در نسل غلامی کی وجہ سے تعلیم جیسی بنیادی ضرورت سے محروم رہتے ہیں جس کی وجہ سے انہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد کا شعور ہی نہیں ہوتا۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل سلیم کے ساتھ آزاد پیدا فرمایا لیکن مزارعین کی اپنی کوئی رائے نہیں ہوتی،گویا انکی عقل سلیم ایک عضو معطل بن کر رہ جاتی ہے۔جہاں تک حفظ نسل کا تعلق ہے تو آئے روز اخبارات میں یہ واقعات پڑھنے کو ملتے ہیں کہ کس طرح وڈیرے مزارعین کی عورتوں سے اپنی ہوس پوری کرتے ہیں اور وہ سوائے گریہ وزاری کے کچھ نہیں کر پاتے۔یہ نظام جو نہ صرف ملکی استحکام اور معاشی اور سماجی اقدار کے لئے شدید خطرہ ہے بلکہ مقاصد شریعت سے بھی متصادم ہے۔عصر حاضر کے اجتہادی اداروں بالخصوص پاکستان کی عدالت عظمیٰ،وفاقی شرعی عدالت،اسلامی نظریاتی کونسل کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ اس نظام کے خاتمے کے لئے مؤثر قانون سازی کے لئے راہ ہموار کرنے میں اپنا کردار ادا کریں۔

خلاصہ بحث

مقالہ ہذا کو پانچ مباحث قانون معیشت،مرجہ اسلامی بنک کاری،انشورنس،تسعیر اور مرجہ نظام زمینداری میں تقسیم کیا گیا ہے۔جہاں تک قانون معیشت کا تعلق ہے تو اس کا ماحاصل یہ ہے کہ تزکیہ معیشت کا جو قانون اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر کی وساطت سے انسانیت کو دیا ہے،اس کی بنیاد اس اصول پر قائم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا آزمائش کے لئے بنائی ہے۔اس وجہ سے اس کا نظام اس نے اس طرح قائم کیا ہے کہ یہاں سب لوگ ایک دوسرے کے محتاج اور محتاج الیہ کی حیثیت سے پیدا ہوئے ہیں۔اس دنیا میں اعلیٰ سے اعلیٰ شخصیات بھی اپنی ضرورتوں کے لئے دوسروں کی طرف رجوع کی محتاج ہیں اور ادنیٰ سے ادنیٰ انسانوں کی طرف بھی ان ضرورتوں کے لئے رجوع کیا جاتا ہے۔جب تک مستحکم نظام معیشت وجود میں نہیں آتا اس وقت تک ایک مثالی اور فلاحی ریاست کا قیام ممکن نہیں ہے۔گویا یہ دونوں لازم وملزوم ہیں اور ان کے عدم استحکام سے مقاصد شریعت کا حصول ممکن نہیں ہے۔

موجودہ نظام تجارت اور مالیات میں بنکاری نظام اس کا جزو لاینفک ہے اور اس سے فرار ممکن نہیں ہے۔مرجہ نظام بنکاری سود پر مبنی اور اسلام کے قانون معیشت سے صریحاً متصادم ہے،اس کے ناجائز و ناپاک ہونے میں علماء میں دو رائے نہیں ہیں۔لہٰذا فقہاء کرامؒ نے اسلام کے قانون معیشت سے استفادہ کرتے ہوئے اسلامی بنکاری کو رواج دیا ہے۔بعض ممالک میں یہ نظام کامیابی

سے جاری وساری ہے، لیکن پاکستان میں اسلامی بنکاری حیلوں کی بنیاد پر قائم کی گئی ہے جو اپنی اصل کے اعتبار سے حرام ہے۔ کیونکہ اسلامی بنکاری نظام مروجہ سودی نظام کے اشتراک اور تعاون سے ہی وجود میں آیا ہے۔ لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان میں بھی خودمختار اور خودکار اسلامی بنکاری نظام وضع کیا جائے۔ فقہائے کرام کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر موجودہ اسلامی بینکاری میں حیلوں کے نام پر شریعت کی کسی حرام کردہ شے کو حلال ٹھہرانے کی کوشش کی جارہی ہے تو یہ ناجائز اور ممنوع ہے، تاہم اگر ان کے ذریعے سود سے بچاؤ اور جائز معاشی مقاصد ومصالح کا حصول مقصود ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ ایسے حیلوں سے اجتناب کرنے کی ضرورت ہے، جن سے مقاصد شریعت پر زد پڑتی ہے۔ البتہ مباح اور جائز حیلے اختیار کئے جاسکتے ہیں جو دراصل شرعی اہداف کو حاصل کرنے کا ایک وسیلہ ہیں۔

جہاں تک انشورنس کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں علماء کی رائے یہ ہے کہ اس معاہدہ کی بنیاد چونکہ سود، جوا ،غرر، غبن اور جہالت ہے، اس لئے یہ ناجائز ہے۔ بیمہ پر وارد شدہ اعتراضات کا جائزہ لیا جائے تو یہ بے بنیاد معلوم ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ جو رقوم بالاقساط ادا کی جاتی ہیں وہ کوئی قرض نہیں ہوتیں بلکہ اپنی معاونت کے وعدے پر وہ دوسروں کی معاونت کے لئے دی جاتی ہیں۔ بیمہ کے ادارے انہیں سودی کاروبار میں لگاتے ہیں تو اپنے حق استعمال کی بنا پر لگاتے ہیں، اس کی کوئی ذمہ داری بیمہ کرانے والوں پر عائد نہیں ہوتی۔ غرر، غبن اور جہالت سے متعلق اسلامی تعلیمات سدذریعہ کے طور پر اور بیع وشرا میں رفع نزاعات کے لئے ہیں۔ بیمہ بیع و شراء کا کوئی معاملہ نہیں ہے، بلکہ یہ باہمی تعاون کا نظام ہے جس کا اہتمام کرنے والے افراد اور اداروں کو ان کی خدمت کے معاوضے میں جمع شدہ رقوم کو استعمال کرنے کا حق دیا جاتا ہے۔

تسعیر سے متعلق علماء کی رائے یہ ہے کہ اس کا اختیار اصلاً تو فروخت کنندہ پر ہے تاہم اصلاح احوال اور جلب المصالح اور درء المفاسد کے طور پر حکومت بھی قیمتیں متعین کرسکتی ہے، بلکہ بسا اوقات ایسا کرنا لازم ہوتا ہے۔ حفظ مال کے پیش نظر اس ضمن میں مؤثر اقدام کی ضرورت ہے

جاگیردارانہ نظام کی موجودگی سے مقاصد خمسہ بری طرح مجروح ہوتے ہیں۔ پاکستان میں اس کی بدترین عملی شکل موجود ہے اور یہ نظام جو نہ صرف ملکی استحکام اور معاشی اور سماجی اقدار کے لئے شدید خطرہ ہے بلکہ مقاصد شریعت سے بھی متصادم ہے، لہذا عصر حاضر کے اجتہادی اداروں کو اس نظام کے خاتمے کے لئے مؤثر قانون سازی کے لئے راہ ہموار کرنے میں اپنا کردار ادا کرنا چاہئے۔

حوالہ جات

١ ابن قیم، محمد بن أبی بکر الجوزیۃ، اعلام الموقعین عن رب العالمین، مطبعۃ دار السعادۃ، مصر، ۱۹۶۹ء، ۳۴۴/۱

٢ الزخرف ۳۲:۴۳

٣ البیہقی، أحمد بن حسین بن علی، ابوبکر، السنن الکبری، مکتبۃ، دار الباز، المکۃ المکرمۃ ۱۹۹۴ء، باب ما جاء من التشدید فی تحریم، ۲۷۶/۵، رقم ۱۰۲۵۳

٤ البقرۃ ۲۷۹:۲

٥ ابن قیم، اعلام الموقعین، ۱۱/۳

٦ الخصاف، کتاب الحیل، طبع قاہرہ، ۱۳۱۴ھ، ص۴

٧ برہان الدین مازۃ محمود أحمد الصدر الشہید، المحیط البرہانی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ص۷۶

٨ العینی، بدر الدین، أبو محمد محمود بن أحمد، عمدۃ القاری شرح الجامع المسند الصحیح، باب فی ترک الحیل، ۳۴/۱۴۶۹، رقم ۶۹۵۳

٩ السرخسی، محمد بن أحمد، ابوبکر، المبسوط، کتاب الحیل، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت لبنان، ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء، ۴۸۵/۳۳

١٠ آلوسی، محمود، ابو الفضل، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، دار احیاء التراث الاسلامی، بیروت، لبنان، ۲۰۹/۲۳

١١ ابن قیم، اعلام الموقعین، ۳۷۶/۳

١٢ ایضاً

١٣ انسائیکلو پیڈیا آف برٹینیکا، گیارھواں ایڈیشن، ۶۵۶/۱۴

١٤ حسین حامد حسان، دکتور، حکم الشریعۃ الاسلامیۃ فی عقود التامین، دار الاعتصام، قاہرہ، ۱۹۶۹ء، ۸۰-۸۱

١٥ المائدۃ ۹۰:۵

١٦ الجصاص، ابوبکر، أحکام القرآن، دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۵ھ، ۱۱/۲

١٧ مجلۃ الفقہ الاسلامی، العدد الثانی، دار البشائر الاسلامیۃ، ۲۰۰۵ء، ۵۴۵/۲

١٨ مفتی محمد شفیع عثمانی، ولی حسن، سوالنامہ مع بیمہ زندگی، مطبع دار الاشاعت کراچی، ۱۹۷۲ء، ص۲۰۳

١٩ أیضاً، ۱۸

٢٠ مفتی کفایت اللہ، کفایۃ المفتی، طبع ملتان، ۷۶/۸-۷۷ ؛ مولانا تھانوی، امداد الفتاوی، طبع کراچی، ۱۶۰/۳-۱۶۱؛ مودودی، ابو الاعلیٰ، سید، رسائل و مسائل، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۷۰ء، ۳۱۳/۳

٢١ نئے مسائل اور علمائے ہند کے فیصلے، ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی، ص۱۱۸-۱۲۳

٢٢ محمد یوسف الصالحی الشامی، سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، الباب الثامن فی بعض فضائل امیر، ۲۷۱/۱۱

۲۳ مجاہد الاسلام قاسمی، مجلۃ فقہ اسلامی، دہلی، اسلامی فقہ اکیڈمی، ۱۹۹۱ء، ص ۵۳۳

۲۴ محمد تقی امینی، اسلام اور جدید دور کے مسائل، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱۹۸۸ء، ص ۱۸۸

۲۵ مجاہد الاسلام قاسمی، مجلہ فقہ اسلامی، دہلی، ص ۵۳۳

۲۶ اسلامک فقہ اکیڈمی، اہم فقہی فیصلے، دہلی، ۲۰۰۳ء، ص ۳۵

۲۷ یوپی افتاء کونسل کے فیصلے، آٹھواں سیمینار، قرارداد نمبر ۲

۲۸ أیضاً، چھٹا سیمینار، قرارداد نمبر ۷

۲۹ الفیومی، احمد بن محمد علی المقری، المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر، دار الفکر بیروت، مادۃ سعر

۳۰ الحوت، محمد بن درویش بن محمد، اسنی المطالب فی احادیث مختلفۃ المراتب، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۲/ ۳۸

۳۱ ابن عابدین، رد المحتار، فصل فی البیع، ۲۷/ ۹؛ درر الحکام شرح غرر الأحکام، احتکار قوت البشر والبہائم، ۴/ ۲۳
دیکھئے: موسوعۃ الفقۃ الاسلامی، احتکار، وزارۃ الاوقاف المصریۃ، ۱/ ۶۰

۳۲ أبوداؤد، سلیمان بن أشعث بن اسحاق، السجستانی، السنن، موسوعۃ الحدیث الشریف، الکتب الستۃ دار السلام للنشر التوزیع، الریاض، ۱۴۲۰ ھ / ۱۹۹۹ء، کتاب البیوع، باب فی التسعیر، رقم، ۳۴۵۱ ؛
ابن ماجۃ، السنن، أبواب التجارات، باب من اکرہ ان یسعر، رقم، ۲۲۰۰

۳۳ ابن عابدین، محمد أمین بن عمر بن عبد العزیز، رد المحتار علی الدر المختار، یعرف بحاشیۃ ابن عابدین، دار احیاء التراث الاسلامی،، بیروت، ۲۷/ ۱۳؛
دیکھئے: موسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ، وزارۃ الأوقاف والشئون الاسلامیۃ، ۱۲/ ۳۴۱

۳۴ الرحمن ۵۵:۱۰-۱۲

۳۵ العینی، عمدۃ القاری، ۶/ ۳۶

۳۶ الدہلوی، أحمد بن عبد الرحیم، شاہ ولی اللہ، المسوی من المؤطا، المیز ان ناشران وتاجران کتب، ص ۴۰۵

۳۷ الماوردی، الاحکام السلطانیۃ فصل فی الکلام علی اقطاع، ص ۱۸۳

۳۸ ابوعبید، القاسم بن سلام، الاموال، دار الفکر، قاہرہ، مصر، کتاب الاموال ص ۳۸۲

۳۹ أیضاً، ص ۲۸۲

۴۰ أبو یوسف یعقوب بن إبراہیم، الخراج، المطبعۃ السلفیۃ ومکتبہا القاہرۃ، الطبعۃ الثالثۃ 1382ھ ص ۵۸

۴۱ المقریزی، أحمد بن علی، ابو العباس، کتاب الوعظ والاعتبار وذکر الخطط، مکتبۃ الثقافۃ الدینیۃ، قاہرہ، ۱۹۸۷ء، ۲/ ۱۵۳

۴۲ أبو یوسف، یعقوب بن إبراہیم، الخراج، نجات اللہ صدیقی (مترجم)، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، ۱۹۹۹ء، ص ۲۴۵

۴۳ أبو محمد علی بن زکریا المنبجی، اللباب فی الجمع بین السنۃ والکتاب، تحقیق الدکتور محمد فضل عبد العزیز المراد، دار القلم، دمشق الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۴ء، کتاب احیاء الموات، ۲/ ۵۶۴؛ الطحاوی، احمد بن محمد، أبوجعفر شرح معانی الآثار، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۳۹۹ھ، باب أحیاء الأرض المیتۃ، ۴/ ۳۱۳

۴۴ الجصاص، أحمد بن علی المکنی، أبوبکر، احکام القرآن، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۵ھ، ۳/ ۴۵۳۲

۴۵ أیضا،۳/۵۳۲

۴۶ أبو یوسف، الخراج،۱۳۸۲ھ،ص۶۰

۴۷ ابراهيم بن محمد بن عبدالله بن محمد ابن مفلح ،أبو إسحاق، برہان الدين ،المبدع شرح المقنع ، دار عالم الكتب، الرياض،۱۴۲۳ھ/۲۰۰۳ء،۵/۱۸۶

۴۸ البهوتی ،منصور بن یونس،کشاف القناع،دارالکتب العلمیة بیروت،۱۹۹۷ء،دارالکتب العلمیة بیروت،۷/۳۲۰

۴۹- دیکھیے : أبوعبیدہ القاسم،الاموال ،ص۶۱-۶۲ ؛یحیی آدم القرشی ،الخراج،ص۴۵-۴۶

۵۰ الجصاص،احکام القرآن ،۳/۵۳۱-۵۳۳

۵۱ آل عمران۳:۱۰۳

۵۲ البخاری،الجامع المسند الصحیح ،کتاب المظالم،باب لایظلم المسلم ،رقم ۲۴۴۲؛ ابوداؤد،السنن ،کتاب الادب،باب المواخاة، رقم ۲۸۹۳

۵۳ الزخرف ۴۳:۳۲

۵۴ حٰم السجدہ ۴۱:۱۰

۵۵ دیکھیے : ابن رجب،عبدالرحمن بن أحمد،الاستخراج لأحکام الخراج ،الباب الرابع ، فیما یوضع علیہ الخراج من الأرضین و مالا یوضع ،دارالکتب العلمیة بیروت،۱۴۰۵ھ،۱/۲۲